نقیبِ ختمِ نبوت
ملتان

محمد

رسول اللہ ﷺ

انا خاتم النبیین

لا نبی بعدی

ماکان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین

محمد باپ نہیں کسی کا تمہارے مردوں میں سے لیکن رسول ہے اللہ کا اور مہر سب نبیوں پر —

قل یایہا الناس

انی رسول اللہ الیکم جمیعا

"اے محمد کہو کہ اے انسانو!

میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں"

اے کہ بعد از تو نبوت شد بہر مفہوم شرک

عرب کے ریگزاروں کا یہی پیغام تھا مجھ کو ،
جہانِ نو کے گوناگوں تقاضے خوب ہیں لیکن
نئی تہذیب کے فسوں ہیں جو گم ہیں انہیں کہنا
محمد مصطفیٰ کے دیں پر ثابت قدم رہنا

(قیوم نظر مرحوم)

تحریکِ تحفظِ ختمِ نبوۃ [شعبۂ تبلیغ] عالمی مجلس احرارِ اسلام پاکستان

دعوتِ فکر

مرزائیوں کو میں دعوتِ فکر دیتا ہوں وہ غور و فکر کریں اور اپنے مدعئ نبوت اور اس کے خاندان کی فرنگی نوازی دیکھیں کہ یہ انگریز کا درباری نبی کس طرح ہندوستان میں انگریز افسروں کے دربار میں اپنی اور اپنے باپ دادا کی خدمات کے حوالے سے اس کا قرب حاصل کرنے کے لئے لجاجت منت و سماجت اور سراپا حاجت بن کر یقین دہانیاں کراتا ہے۔ ظالم تم نے اگر نبوت کا دعویٰ کر ہی لیا تھا اور تم اپنے تئیں نبی بن ہی بیٹھے تھے تو کم از کم اس نام و منصب کا وقار ہی قائم رکھا ہوتا اور فرنگی کی چوکھٹ پر جبہہ سائی نہ کرتے اپنی جبینِ نیاز کو عدو اللہ فرنگی کی خاکِ نجس سے آلودہ نہ کرتے۔ ؎

"اے روسیاہ تجھ سے تو یہ بھی نہ ہو سکا"

تجھ سے تو سابق کذاب و دجال مدعیانِ نبوت بہتر تھے جنہوں نے دعوائے نبوت کے بعد مسلمان بادشاہوں کے درباروں کی راہ تک نہ دیکھی۔ ان کا بھی ایک وقار تھا مگر تجھ سا بے حمیت تو خطۂ ارضی پر کوئی دوسرا نہیں۔

بے دلی ہائے تمنا کہ نہ عبرت ہے نہ ذوق
بے کسی ہائے تماشا کہ نہ دنیا ہے نہ دین

—— خطاب ——

بانیٔ احرار! مؤسس تحریک تحفظ ختم نبوت حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ
احرار تبلیغ کانفرنس قادیانؒ، اکتوبر ۱۹۳۴

ؔ مجموعۂ اشتہارات حصہ سوم جمع کردہ محمد صادق مطبوعہ بدر پریس قادیان ۱۹۱۲ صفحہ ۲۴۲ تا صفحہ ۲۶۲، ؔ بخاری کے زمزمے صفحہ ۴۲)

نقیبِ ختمِ نبوۃ ملتان

ربیع الاول ۱۴۱۰ھ
اکتوبر ۱۹۸۹ء

سال اشاعت ۲ سلسلہ اشاعت ۱۰

سرپرست اکابر:

حضرت مولانا خواجہ خان محمد مدظلہ
مولانا محمد عبداللہ مدظلہ
مولانا محمد احمد صدیقی مدظلہ
مولانا عنایت اللہ چشتی مدظلہ
مولانا حکیم محمود احمد ظفر مدظلہ
مولانا محمد عبدالحق مدظلہ
حضرت سید نفیس الحسینی مدظلہ

رفقاءِ فکر

سید عطاء المحسن بخاری
سید محمد ارشد بخاری
سید عطاء المؤمن بخاری
سید خالد مسعود گیلانی
سید عطاء المھیمن بخاری
سید محمد کفیل بخاری
سید عبدالکبیر بخاری
عبداللطیف خالد ○ اختر جنجوا
عمر فاروق عمر ○ محمود شاھد
قمر الحسنین ○ بدر منیر احرار
سید محمد ذوالکفل بخاری

زرِ معاونت اندرونِ ملک، بیرونِ ملک

فی پرچہ : ۵/۰۰ روپے
زرِ سالانہ : ۵۰/۰۰ روپے

سعودی عرب ، عرب امارات
مسقط ، بحرین ، عراق ، ایران
مصر ، کویت ، بنگلہ دیش ، انڈیا

امریکہ ، برطانیہ ، تھائی لینڈ
ہانگ کانگ ، برما ، نائیجیریا
جنوبی افریقہ ، شمالی افریقہ

سالانہ ۲۰ امریکی ڈالر

اکاؤنٹ نمبر: ۲۹۹۳۲ حبیب بنک حسین آگاہی ۔ ملتان

دارِ بنی ہاشم ○ مہربان کالونی ○ ملتان فون: ۷۲۸۱۳

آئینہ

عناوین	مضمون نگار	صفحہ
دِل کی بات	رئیس التحریر	۳
سلام	جناب بوعلی اثر مرحوم	۵
نبیؐ اکرمؐ کا گھرانہ	شاہ بلیغ الدین	۶
اِسلامی عبادات	مولانا محمد اسحٰق صدیقی مدظلہ	۱۱
روشنی کی کرن	حامد سراج	۱۶
غزل	سیّد عطاء المحسن بخاری	۲۱
میاں طفیل کا نیا اشغلہ	قمر الحسنین	۲۲
منصورہ میں متحدہ علماء کانفرنس	سیّد عطاء المحسن بخاری	۲۵
احرار کی یادیں	رفیق چودھری	۲۸
بیادِ شورش کاشمیریؒ	شیخ حبیب الرحمٰن بٹالوی	۳۰
جہانِ نسواں	محترمہ ایس ایس بخاری	۳۲
زبان میری ہے بات اُنکی	خادم حسین شیخ	۳۸
مرزا بشیر الدین کی بدمعاشیاں	بشیر احمد مصری	۴۲
قادیانیوں کی ملک دشمن سرگرمیاں	محمد نعیم عارفی	۴۹
تبصرہ کتب	سید محمد ذوالکفل بخاری	۵۴
پریس کانفرنس سے خطاب	سید عطاء المحسن بخاری	۵۵

دل کی بات

برسرِ اقتدار آنے والے لوگوں کو یہ بات ہمیشہ پیشِ نظر رکھنی چاہیئے کہ اقتدار قوم کی امانت ہے اور امانت میں خیانت کا نتیجہ ذِلّت و ندامت کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ برسرِ اقتدار طبقہ کے ذمّہ صرف اپنا تحفّظ ہی نہیں ہوتا بلکہ پوری قوم کا تحفّظ بھی انہیں کی ذمّہ داری ہے اگر وہ اس ذمّہ داری کو نہیں نباہ سکتے تو کرسئ اقتدار اس کے لئے قطعًا موزوں نہیں ہے۔

پاکستان میں یہ حادثہ ہر بار ہوا کہ اقتدار کی طلب میں رال ٹپکانے والے اور دعدوں کی سیج بچھانے والے جب اقتدار کے سنگھاسن پہ براجمان ہوئے تو انہوں نے سب سے بڑا معرکہ جو سر کیا وہ صرف یہ کہ تمام ایسے عناصر جو مقتدرین کے ناپسندیدہ تھے انہیں بیک بینی و دوگوش نکال باہر کیا۔ اور ان خالی کرسیوں پر وہ لوگ سجا دیئے گئے جو پرلے درجہ کے غبی، خودغرض، منتقم مزاج، قومی سوچ سے محروم، برادری اِزم کے مریض، متکبّر، معزور، غرضیکہ اعلیٰ انسانی رویّوں سے محروم لوگ تھے۔ جن کی کارکردگی تملّق اور چاپلوسی کے سوا کچھ نہیں ہوتی جب بھی "اکابرِ اقتدار" سے آمنا سامنا ہوا تو یہی سجائی فائلیں ان کے سامنے رکھ دیں اور ان پر دستخط کرا کے سکھ کا سانس لیتے ان کی آؤ بھگت میں "نورتنی" کردار ادا کرتے اور اپنے عہد کے اکبر کو راضی کر لیتے جاتی دفعہ "حکومتی بزرگوں" نے پوچھا کوئی خاص بات ہو تو بتاؤ؟ تو یہ "چیکبرے" کرسی نشین فوراً کہتے نہیں جناب سب ٹھیک ہے ہم نے مخالفین کو آپ کے درِ دولت کی دہلیز چومنے پر مجبور کر دیا ہے۔ حکمران نیک نیت، قوم پرور اور ملک کی سلامتی اور ترقی کا جذبہ بھی رکھتا ہو تو یہ دُم ہلانے والے اس کو ایسی راہ پر ڈال دیتے ہیں کہ یا تو وہ پھانسی کے تختے پر جھولنے لگتا ہے یا آتشِ یار کے رقصاں شعلوں کی نذر ہو جاتا ہے۔ حالات اور حکمت و دانش کا تقاضا یہ ہے کہ موجودہ حکمران تحفظِ ذات، تحفّظِ اقتدار اور تحفّظِ جماعت کے "تنگ و تاریک غار سے باہر نکلیں، اپنی منفی اناؤں کو قربان کریں اور اپنا سب کچھ ملک و ملّت کے لئے وقف کریں پوری ملّتِ اسلامیہ کو ساتھ لے کر چلنے، آگے بڑھنے اور بلندیوں تک پہنچنے کا عزم کریں۔ صوبوں اور مرکز کا تصادم، صوبائی عصبتیں، قوموں کے تعصبات، ایجنسیوں کا تخریبی کردار، جنسی انارکی، دہشت

دہشت، بے حیائی، فحاشی، مرزائیوں، کمیونسٹوں اور رافضیوں کی دین بیزاری ایسے ابلیسی عوامل سے پاکستان خوف وخطر کی جس بھنور میں اب ہے پہلے کبھی نہ تھا۔ خاکم بدہن اگر اس مرحلہ پر کوئی آفت آن پڑے تو ہم اس کے دفاع، مزاحمت اور سرکوبی کے ہرگز اہل نہیں ہیں۔ پی پی پی کی حکومت پر فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ تمام مسائل کے حل میں پیش رفت بھی کرے اور شخصی، جماعتی، اور صوبائی حقوق و مراعات میں آئینی اور قومی تقاضوں کو بھی پورا کرے۔

وما علینا الا البلاغ۔

لاتہنوا ولاتحزنوا

وہ جو ربیع الاول میں آیا، اس نے کہا کہ غم اور ناکامی ان کے لیے ہونی چاہیے، جن کے پاس کامیابی و نصرت بخشنے والے کا رشتہ نہیں۔ پر وہ جنھوں نے تمام انسانی اور دنیوی طاقتوں سے سرکشی کر کے صرف خدا کی قدوس طاقت کے ساتھ وفاداری کی اور اس ذات کو اپنا دوست بنالیا جو ساری خوشیوں کا دینے والا اور تمام کامیابیوں کا سرچشمہ ہے تو وہ کیونکر غمگینی پا سکتے ہیں اور خدا کے دوستوں کے ساتھ اس کی زمین میں کون ہے جو دشمنی کر سکتا ہے:

ذٰلِكَ بِأَنَّ اللّٰهَ مَوْلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَأَنَّ الْكَافِرِينَ لَا مَوْلَىٰ لَهُمْ۔ (محمد: ۱۱)

اس لیے کہ اللہ مومنوں کا دوست اور حامی ہے، مگر جنھوں نے اس سے انکار کیا، ان کے لیے کوئی دوست، حامی اور سازگار نہیں۔

جن پاک روحوں نے خدا کی سچائی اور کلمۂ حق و عدل کی خدمت گزاری کے لیے اپنے آپ کو وقف کر دیا، وہ کسی سے نہیں ڈر سکتے۔ البتہ ان کی ہیبت و قہاریت سے دنیا کو ڈرنا چاہیے:

فَلَا تَخَافُوهُمْ وَخَافُونِ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ۔ (آل عمران: ۱۷۵)

دشمنانِ حق کی شیطانی ہیبتوں سے نہ ڈرو، اللہ سے ڈرو اگر فی الحقیقت تم مومن ہو۔

امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد رحمۃ اللہ علیہ

جناب بو علی اثرؔ مرحوم (سہارنپور)

سلام (بحضور خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم)

تمہیں شفق کے نظارے سلام کہتے ہیں — نگاہِ لطف کی بنیاد ڈالنے والے
قمر کی بزم کے تارے سلام کہتے ہیں — یتیم ہو کے یتیموں کو پالنے والے
شجر بہشت کے سارے سلام کہتے ہیں — بھنور سے ڈوبتی کشتی نکالنے والے
فلک کے چاروں کنارے سلام کہتے ہیں — سنبھال مجھ کو بھی میرے سنبھالنے والے
تمہیں سبھی میرے پیارے سلام کہتے ہیں — پڑے ہیں تیرے سہارے سلام کہتے ہیں

گئے فلک پہ تو گردوں نے سر جھکا کے کہا — تمہارے حسن پہ لبیک ہر ادا نے کہا
ہر آسماں کے فرشتوں نے ہاتھ اُٹھا کے کہا — تمہیں حبیب، حبیبی میرے خدا نے کہا
نزولِ رحمت باری نے خود بلا کے کہا — زمین کا چاند مدینہ میں عائشہ نے کہا
درِ بہشت سے حوروں نے مسکرا کے کہا — حریمِ دل کے جھروکوں سے ہاجرا نے کہا
ہم آمنہ کے دلارے سلام کہتے ہیں — تمہیں خلیل ہمارے سلام کہتے ہیں

تمہارے واسطے ہیں شورشیں عنادل کی — نیاز کیش ہے یثرب بھی اور بطحا بھی
تمہیں کو ڈھونڈتی پھرتی ہیں موجیں ساحل کی — اَدب سے جُھکتا ہے گردوں بھی طورِ سینا بھی
قیام کرتی ہیں رُک رُک کے پتلیاں تل کی — درود پڑھتا ہے تجھ پہ غلافِ کعبہ بھی
پیام کہتی ہے جھک جھک کے شمع محفل کی — تجھے بٹھاتا ہے آنکھوں پہ عرشِ اعلیٰ بھی
بھڑک کے دل کے شرارے سلام کہتے ہیں — یروشلم کے منارے سلام کہتے ہیں

سنی سعید مجاہد بھی اور غازی بھی — اُمیدوار کا دل اور جگر بھی دیکھتا جا!
ولی بھی شیخ بھی صائم بھی اور نمازی بھی — نظر ملا کے نظر سے نظر بھی دیکھتا جا
غزالی اور جلالی بھی اور رازی بھی — کشش دُعاؤں کی جذبِ اثر بھی دیکھتا جا
عراق والے بھی ہندی بھی اور حجازی بھی — مسافرِ شبِ اسریٰ ادھر بھی دیکھتا جا
غلام سارے تمہارے سلام کہتے ہیں — یہ چاند اور ستارے سلام کہتے ہیں

نبی اکرمؐ کا گھرانہ

شاہ بلیغ الدین

حضورؐ کے والد عبداللہ تاجر تھے اور والدہ آمنہ جلیل القدر ذہین خاتون تھیں

قریش کے سردار کا کہنا تھا کہ —— اخلاق اچھے ہوں۔ آدمی ظلم نہ کرے۔ اور غرور تکبر سے بچا رہے تو یہ بہت بڑی بات ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ اس سردار نے ایک سو دس برس کی عمر پائی۔ کوئی کہتا ہے ۵۷۹ء میں بیاسی برس کی عمر میں خانہ کعبہ کے رکھوالے کا انتقال ہوا۔ اس وقت ابرہہ آشرم کے واقعے کو کوئی آٹھ برس گزرے تھے۔

سیّد القریش

یہ سردار یثرب میں پیدا ہوا۔ سات آٹھ برس کی عمر تک وہیں رہا پھر مکہ میں آیا۔ ہجرت کے بعد یثرب کی بستی مدینۃ النبیؐ کہلانے لگی۔ اب اسے یثرب کہنے کا حکم نہیں۔ اس سردار کی والدہ سلمٰی بنو نجار کی تھیں۔ آج جہاں مسجد نبویؐ واقع ہے اس کے پاس ہی رہتی تھیں۔ ابھی یہ سردار پیدا نہیں ہوا تھا کہ فلسطین کے شہر غزّہ میں اس کے باپ کا انتقال ہوگیا۔ ہاشم نام تھا۔ عمر مشکل سے پچیس برس کی ہوگی۔ کچھ دنوں بعد قریش کا یہ سردار اپنے ننھیال میں پیدا ہوا۔ عجیب بات یہ تھی کہ نومولود کے سر میں ایک گچھا سفید بالوں کا تھا۔ اس لئے عزیز رشتہ دار اسے شیبۃ الحمد پکارنے لگے۔ نام عامر تھا لیکن شہرت چچا کے نام سے ہوئی جو مطلب کہلاتے تھے۔ چونکہ چچا بھتیجا اکثر ساتھ رہتے تھے اس لئے لوگوں نے بھتیجے کو عبدالمطلب پکارنا شروع کیا۔ مطلب کا غلام!

سردارِ قریش عبدالمطلب تجارت کرتے تھے۔ شام اور یمن کے علاقوں میں اُن کا کاروبار تھا۔ اونٹوں کے بہت بڑے گلّے کے مالک تھے۔ طائف میں ایک کنواں اُن کے پاس تھا۔ خانۂ کعبہ کے نگہبانوں میں ان کا شمار تھا اور مکّہ کی یاترا کے موقع پر دو بڑے کام اُن کے سپرد تھے۔ سقایہ یعنی پانی پلانا اور رفادہ یعنی کھانا کھلانا۔ یاتری بڑی تعداد میں مکہ میں جب جمع ہوتے تو آج کی اصطلاح میں عبدالمطلب کا ہوٹل کا کاروبار خوب چمک جاتا تھا۔ وہ بڑے خوش اخلاق اور فیاض آدمی تھے۔ اُن کی مہمان نوازی کی دور دور شہرت تھی۔ دسترخوان ہمیشہ وسیع رکھتے تھے۔ انہوں نے رفاہِ عام کی غرض سے بہت سے کنوئیں کھدوائے تھے۔ زمزم کو پھر سے کھدوانے کیلئے انہوں نے تین راتوں تک مسلسل خواب دیکھا تھا۔ زمزم کا کنواں بڑا عرصہ پہلے عمرو بن حارث جرہمی نے بند کرا دیا تھا۔ لوگوں کو یہ بھی یاد نہ رہا تھا کہ یہ کنواں کہاں واقع تھا۔ خواب میں جناب عبدالمطلب کو یہ جگہ دکھائی گئی۔ سچا خواب دیکھنا بزرگی کی علامت ہے۔ عبدالمطلب کا شمار

اپنے دور کے موحّدین میں ہوتا ہے وہ دینِ ابراہیمی کے پیروکار تھے اور رمضان کا مہینہ وہ غارِ حرا میں گزارتے تھے جہاں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر پہلی وحی کا نزول ہوا تھا۔

کہتے ہیں کہ اصحابِ فیل نے حملہ کیا تو انہوں نے غارِ حرا ہی میں بیٹھ کر دعا مانگی تھی کہ اے اللہ! انسان اپنے سامان کی حفاظت کرتا ہے۔ تو اپنے سامان اور اپنے گھر کعبے کی حفاظت فرما۔ اُن کی سبیلیں اور اُن کے فریب و حیلے تیری قدرت پر غالب نہیں آسکتے اگر تو انہیں چھوڑ دینے والا ہے کہ ہمارے قبیلے کے ساتھ جو چاہیں کریں تو تجھے بے شک اختیار ہے

چچا صاحبان

ان کی زیادہ اولاد ان کی بیوی بنو مخزوم کی فاطمہ کے بطن سے ہوئی جن سے حضرت عبداللہ رضہ (نبی اکرم کے والدِ محترم) اور چچاؤں میں زبیر اور ابوطالب کے علاوہ سید المرسلین (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پھوپھی اُم حکیم البیضا بھی تھیں جو حضرت عثمانؓ کی نانی تھیں۔ بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ ابولہب بھی انہی کے بطن سے تھا لیکن مستند روایت یہ ہے کہ ابولہب کی والدہ بنی خزاعہ کی تھی۔

اکیس۲۱ یا بائیس۲۲ برس کی عمر تھی جب حضرت عبداللہ اپنے والد خواجہ عبدالمطلب کے ساتھ یثرب گئے۔ یہ جگہ ان کے لئے نئی نہ تھی۔ یہاں بنو نجار میں ان کی ننھیال تھی۔ عبدالمطلب ہی نہیں اُن کے والد ہاشم کی شادی بھی بنو نجار ہی میں ہوئی تھی۔ قریش کے کچھ خاندان مکے سے یہاں آکر بس گئے تھے۔ ان ہی میں بنو زہرہ بھی تھے۔ وہب بن عبد مناف اُن کے سردار تھے۔ اُن کے چھوٹے بھائی وہیب بھی ان کے ہی ساتھ رہتے تھے۔ بڑے اور چھوٹے بھائی کی ایک ایک بیٹی تھی۔ بڑے بھائی وہب کی صاحبزادی کا نام آمنہ تھا اور چھوٹے بھائی وہیب کی بیٹی ہالہ تھیں۔ عبدالمطلب نے وہیب کی بیٹی ہالہ سے نکاح کیا۔ امیر حمزہ اُن ہالہ کے بطن سے پیدا ہوئے۔ رشتے میں وہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا بھی تھے اور خالہ زاد بھائی بھی۔ دونوں ہم عمر تھے اور دودھ شریک بھائی بھی تھے۔ حضرت حمزہ اس وقت ایمان لے آئے جب اللہ کے رسولؐ بیتِ ارقم میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ حضرت حمزہؓ کو اللہ کے رسول نے اسد اللہ اور اسدِ رسول کا خطاب دیا تھا۔ اُن کے سوا یہ خطاب نبی اللہ نے کسی اور کو نہیں دیا۔ حضورِ سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے چچاؤں میں صرف حضرت عباس اور حضرت حمزہ ہی نے اسلام قبول کیا۔ ان دونوں بزرگوں نے اسلام کی بڑی خدمت کی۔ باقی کسی چچا کو نہ اسلام کا نام لینے کی توفیق ہوئی نہ تبلیغِ دین میں کبھی کسی نے کوئی مدد کی۔

والدین

حضرت آمنہ کی عمر لگ بھگ بیس برس کی تھی جب ان کا پیام طے ہوگیا۔ ان کی والدہ کا نام برّہ تھا۔ حضرت آمنہ کے بیاہ سے پہلے ان کے والد کا انتقال ہو چکا تھا کیونکہ اُن کے چچا وہیب یا وہیب نے ولی کی حیثیت سے حضرت آمنہ کی شادی کی۔ طبقات ابنِ سعد میں ہے کہ شادی کے بعد حضرت عبداللہ نے اس زمانے

میں عرب کے رواج کے مطابق تین دن تک حضرت آمنہ ہی کے گھر میں قیام کیا۔ یہ شادی حضرت عبداللہ کی قربانی کے واقعے کے ایک سال بعد اور چاہ زمزم کے کھودے جانے کے دس سال بعد ہوئی تھی۔ حضرت آمنہ اور حضرت عبداللہؓ کا ساتھ کوئی تین چار برس رہا پچیس برس کی عمر تھی کہ حضرت عبداللہ ایک تجارتی قافلے کے ساتھ شام کے شہر غزہ گئے ہوئے تھے۔ واپسی میں بیمار پڑے اور یثرب میں ٹھہر گئے۔ کوئی ایک مہینہ ٹھہر کر وہ النابغہ بن عدی بن نجار کے گھر میں فوت ہوئے اور وہیں دفن ہوئے۔ حضرت آمنہ کے اشعار سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہؓ کو رات میں دفن کیا گیا۔ وہ اپنے والد کی طرح نہایت فیاض اور رحمدل آدمی تھے۔ ان کے جنازے میں بہت لوگوں نے شرکت کی چونکہ وہ اپنے ملنے میں بڑے ہر دلعزیز تھے۔

حضرت آمنہ بڑی ذہین اور بڑی جلیل القدر خاتون تھیں زبان پر انہیں خاص دسترس حاصل تھی اور شعر کہنے کا ذوق تھا حضرت عبداللہ پر اُن کے اشعار اور اپنے عظیم المرتبت فرزند ارجمند کی شان میں اُن کے قصائد سیرۃ کی کتابوں میں موجود ہیں۔ حضرت مریم کی طرح اللہ تعالیٰ نے ان کو بھی الغت اور الہام کی قوتوں سے نوازا تھا۔ ابن سعد اور ابن ہشام کی روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ جب ان کے جگر گوشے کا نور ان کے بطن میں آیا تو یہ بات آپ کو الہام ہی کے ذریعے معلوم ہوئی۔ ایک روایت ہے کہ شادی کے دس مہینے بعد اور دوسری روایت ہے کہ ایک سال آٹھ مہینے بعد ولادتِ نبوی ہوئی۔ ابن سعد (اخبار النبی حصہ اول صفہ ۱۶) اور معجم کبیر کی روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری رسول کا اسم گرامی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بھی پیدائش سے پہلے حضرت آمنہ کو القا کیا۔ سب سے پہلے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی والدہ ہی کا دودھ پیا پھر یہ سعادت ابولہب کی لونڈی ثویبہ کے حصے میں آئی۔ اُن کی برکت سے وہ آزاد کر دی گئیں بعد میں اُنہیں اسلام لانے کا شرف بھی حاصل ہوا۔ جملہ سات بیبیوں نے آپ کو دودھ پلایا۔ حضرت حلیمہ سعدیہ کو یہ سعادت سب سے بڑھ کر حاصل ہوئی۔

جعفر بن محمد کی روایت ہے کہ حضرت عبداللہ کا انتقال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کے دو مہینے بعد ہوا۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ ولادت کے ایک سال بعد ہوا۔ ابن ہشام کی یہ روایت ہے کہ حضرت عبداللہؓ نے بیٹے کو نہیں دیکھا۔

ورثہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے والدِ محترم کے ترکے میں نقد و جنس بہت کچھ ملا۔ واقدی اور ابن سعد کے علاوہ ماوردی نے احکام السلطانیہ میں، ابنِ جوزی نے الوفا میں اس ترکے کی تفصیل دی ہے روایتوں کی چھان بین سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک کھلائی ام ایمن جن کا نام برکتہ تھا اور دو غلام۔ شقران اور صالح بھی ترکے میں ملے۔ ان کے علاوہ بھیڑ بکریوں کا ایک گلہ اور پانچ اُوارک اُونٹ بھی ملے یہ اعلیٰ نسل کے

اونٹ تھے۔ جو صرف پیلو کے پتے کھاتے تھے۔ اس کے علاوہ سواری کے دو اونٹ اور بھی تھے۔ (ابن سعد اخبار النبی حصہ اول صفحہ) شعب بنو ہاشم کا وہ مکان جس میں حضرت آمنہ رہتی تھیں وہ بھی ترکے میں ملا یہی مکان ہے جس کا تذکرہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے موقع پر کیا تھا کہ ہجرت کے بعد عقیل نے اسے اپنے طور پر فروخت کر دیا۔ سامانِ تجارت میں سے کھجور، چمڑا اور کچھ نقد بھی آپ کے حصہ میں آیا۔ کھجور اور چمڑے کا بیوپار ان دنوں سب سے بڑا کاروبار سمجھا جاتا تھا اس کے علاوہ شہر مکہ میں حضرت عبداللہ کی ایک دکان بھی تھی۔ بعض روائتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں کپڑا بھی بکتا تھا اور سلائی کا کام بھی ہوتا تھا اسی دکان میں ابوطالب ملازم تھے۔ المعارف میں حضرت علی کی روایت ہے کہ ابوطالب حالتِ عسرت میں تھے اسی دکان میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی تجارت کا ابتدائی کام سیکھا۔

ولادتِ نبوی سے چھ برس تین مہینے تک حضرت آمنہ زندہ رہیں۔ اس زمانے میں گھر کا خرچ اسی ترکے سے ہونیوالی آمدنی سے چلتا تھا۔ ظاہر ہے کہ سامانِ تجارت شراکت میں جاتا ہوگا۔ چونکہ زبیر عبدالمطلب کی بینائی خراب ہونیکی وجہ سے اُن کا تمام کاروبار سنبھالے ہوئے تھے۔ اس لئے بھائی عبداللہ کا کاروبار بھی انہی کے سپرد ہوگا۔ ام ایمن، شقران اور صالح زندگی بھر حضورؐ کے ساتھ رہے۔ حضرت صالح اصحابِ بدر میں شامل ہیں جس طرح اللہ تعالیٰ نے علم کیلئے اپنے نبی کو کسی فردِ بشر کا مرہونِ منت نہیں رکھا اسی طرح روٹی کپڑے اور مکان کے لئے بھی اللہ کے رسولؐ اپنے دادا یا اپنے چچاؤں کے محتاج نہیں رہے ـــ ابو طالب کے قصیدہ لامیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم چھوٹی عمر سے اپنے قبیلے والوں کی مدد کیا کرتے تھے۔ بالخصوص ابوطالب کی مالی امداد کرتے تھے۔ اپنے والد کے چھوڑے ہوئے ترکے ہی سے حضورؐ سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے الزبیر کی نگرانی میں امپورٹ ایکسپورٹ کا کاروبار شروع کیا بخاری کی روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لڑکپن میں جیاد کی پہاڑی پر ابو معیط کی بکریاں بھی چرائیں۔ مؤرخین متفق ہیں کہ اس آمدنی سے بھی آپ صلہ رحمی فرمایا کرتے تھے۔ چونکہ حضرت عبداللہ کے ترکے سے آپ کی بندھی ہوئی آمدنی تھی اس لئے جو کچھ آپ خود کماتے جناب ابوطالب کے حوالے کر دیتے تھے۔ صلہ رحمی اور انفاق فی سبیل اللہ آپ کے کردار کا وصف ہے جو بچپن ہی سے آپ میں نمایاں تھا۔ پہلی وحی کے موقع پر حضرت خدیجۃ الکبریٰ نے خاص طور پر آپ کی اس خوبی کا ذکر کیا ہے۔ تمام مؤرخین اور محدثین اس بارے میں متفق ہیں کہ آپ نے ہمیشہ دوسروں کی مدد کی حتیٰ کہ خود بھوکے رہے اور منہ کا نوالہ بھی دوسروں کو دیدیا۔ یہ شانِ پیغمبری ہے

صدرِ خاندان

چھ برس تین ماہ کی عمر میں جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ کا انتقال ہوا تو عبدالمطلب اپنے پوتے کو اپنے گھر لے آئے وہ آپ سے بہت محبت کرتے تھے مختلف روائتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ انہیں یقین تھا کہ آمنہ کا جگر گوشہ بڑا نام پانے والا ہے۔ بمشکل دو سال دادا کی سرپرستی میں گذارے تھے کہ عبدالمطلب کا انتقال ہو گیا۔

حضور اکرمؐ نے ۵۳ برس کی عمر میں مدینہ ہجرت فرمائی۔ آٹھ برس کی عمر سے لیکر ۵۳ برس تک کل ۴۵ سال ہوتے ہیں۔ اس عرصے میں خاندان کے تین سربراہ منتخب ہوئے۔ دادا کی وفات کے بعد جیسا کہ طبقات ابنِ سعد میں ہے زبیر جو عبدالمطلب کے وصی اور جانشین تھے خاندان کے سربراہ بنائے گئے کیونکہ وہی سب بھائیوں میں بڑے تھے۔ تاریخ یعقوبی، انساب الاشراف (بلاذری) ارض الانف (سہیلی) خطبات احمدیہ بزبانِ انگریزی (سرسید احمد خان) رحمۃ اللعالمین (قاضی سلیمان) میں زبیر ہی کو عبدالمطلب کے بعد صدرِ خاندان لکھا ہے۔ حرب فجار اور حلف الفضول کے وقت وہی حضور اکرمؐ کے سرپرست اور خاندان کے سربراہ تھے بعض روائتوں کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک ۲۰ - ۲۲ برس کی تھی کہ حضرت زبیر کا انتقال ہوا۔ حضرت زبیر کی بیوی عاتکہ بنت وہب بن عمرو تھیں جنہیں حضور اکرمؐ ماں کہا کرتے تھے۔ ان کے بڑے صاحبزادے طاہر حضور اکرمؐ کے ساتھی اور ہم عمر تھے۔ ابن ابی الحدید نے لکھا کہ کم عمری میں ان کا انتقال ہوا۔ انہی کے نام پر اللہ کے رسول نے حضرت خدیجہ رضہ کے سب سے چھوٹے صاحبزادے کا نام طاہر رکھا تھا۔ چھوٹے صاحبزادے عبداللہ تھے جنہوں نے نبوتؐ کا زمانہ پایا۔ جنگِ اجنادین میں دادِ شجاعت دیتے ہوئے شہید ہوئے۔ اصابہ میں ابنِ حجر نے لکھا ہے اللہ کے رسولؐ انہیں دیکھتے تو فرماتے۔ یہ میری پیاری امی کا بیٹا ہے۔ حضرت عاتکہ نے اپنے یتیم بھتیجے کو ماں کا پیار دیا تھا جسے آپ نے کبھی نہ بھلایا۔

حضرت زبیر کے انتقال کے بعد ابوطالب خاندان کے سربراہ مقرر ہوئے۔ ابو طالب نے ہجرت سے دو ڈھائی برس پہلے شعب بنو ہاشم میں انتقال کیا تو خاندان کا سربراہ ابو لہب منتخب ہوا جو بدر کی لڑائی کے سات مہینے بعد سرطان کے مرض میں مبتلا ہو کر مرا۔ اس وقت اسلامی مملکت قائم ہو چکی تھی۔

بنو ہاشم آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو اپنا صدر خاندان سمجھتے تھے۔ بہت جلد تمام جزیرہ نمائے عرب نے آپ کو اپنا امام تسلیم کر لیا۔ اللہ تعالیٰ نے تو آپؐ کو دونوں جہانوں کا سردار بنا کر پیدا کیا ہے۔

حضرت مولانا محمد اسحٰق سندیلوی مدظلہٗ

اسلامی عبادات [۴]

یہاں اتنا بتا دیں کہ شریعت نے اس کا جو طریقہ مقرر کیا ہے وہ بھی پُر از حکمت ہے۔ شریعت نے زکوٰۃ آمدنی پر فرض نہیں کی بلکہ پس انداز شُدہ رقم پر فرض کی سونے چاندی کی زکوٰۃ کے بارے یہ قاعدہ مقرر کیا کہ جس شخص کے پاس ساڑھے باون تولہ چاندی یا ساڑھے سات تولہ سونا، اس کے ضروری اخراجات کے علاوہ ہو، یعنی پس انداز ہو جائے اور ایک سال تک پس انداز رہے، اس پر فرض ہے کہ سال گزرنے کے بعد اس چاندی یا سونے کا چالیسواں حصہ یا اسی قیمت کی کوئی دوسری کارآمد چیز جس کا استعمال شرعاً جائز ہو جیسے کپڑا وغیرہ، اللہ تعالیٰ کی راہ میں...... صدقہ کر دے، یعنی کسی فقیر اور نادار مسلمان کو دیدے، یا شریعت کے مقرر کردہ کسی دوسرے مصرف زکوٰۃ میں صرف کر دے۔ اس حکیمانہ طریقہ سے فائدہ یہ ہے کہ لوگوں کو مال جمع کرنے اور تجوریاں بھرنے کی رغبت ہوتی ہے، کیونکہ مال جمع رہنے کی وجہ سے کم ہوتا رہے گا۔ اس رغبت کی وجہ سے حاجتمندوں کی حاجتیں بھی پُوری ہوتی رہتی ہیں۔ اور کاروبار میں بھی ترقی ہوتی ہے اور بکثرت لوگوں کو روزگار میسر ہو جاتا ہے۔

تنبیہ: سونے چاندی کے علاوہ مالِ تجارت پر بھی زکوٰۃ فرض ہے۔ اسطرح ان دو چیزوں کے علاوہ بہت سی چیزیں ایسی ہیں جن پر زکوٰۃ فرض ہے اس کے مسائل بکثرت ہیں۔ کتب فقہ اور علماء سے معلوم کرنا چاہیئے۔ اس کتاب میں مسائل کا بیان مقصود نہیں۔

زکوٰۃ کی حکمتیں

زکوٰۃ ایک سراپا حکمت عبادت ہے۔ اس کے فائدے روحانی ہیں اور مادی بھی، اُخروی بھی اور دینوی بھی، انفرادی بھی اور اجتماعی بھی۔ مندرجہ ذیل سطور میں ہم اختصار کے ساتھ اس کے بعض فوائد اور اسکی بعض حکمتوں کو بیان کرتے ہیں۔

۱۔ زکوٰۃ کے ایک معنیٰ پاکیزگی کے بھی ہیں۔ اس لحاظ سے یہ اسم بامسمیٰ ہے یعنی یہ نفس کو مال کی حد سے گزری ہوئی محبت سے پاک کر دیتی ہے۔ مال و دولت سے انسان کی حاجتیں پُوری ہوتی ہیں۔ اس لئے طبعی طور پر اسے اس سے محبت ہوتی ہے۔ اگر یہ محبت حد کے اندر رہے تو مضر نہیں مگر جب حد سے گزر جاتی ہے تو روحانیت

کے لیئے مہلک اور آخرت میں نقصان دہ ہو جاتی ہے۔
پابندی کے ساتھ زکوٰۃ ادا کرنے والے کے دل میں حد سے گزری ہوئی محبت مال کبھی جگہ نہیں پا سکتی کیونکہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال خرچ کرنے سے محبتِ مال میں کمی ہوتی ہے۔ اگر دولت کی فراوانی اس میں اضافہ کرتی ہے تو زکوٰۃ اسکی ترقی میں رکاوٹ بن کر اسے حد کے اندر لے آتی ہے۔ جب آدمی کے دل میں مال کی محبت حد سے زیادہ ہو جاتی ہے تو وہ بہت سے گناہوں میں مبتلا ہو جاتا ہے، وہ کمانے اور خرچ کرنے میں حلال و حرام کے درمیان امتیاز نہیں کرتا۔ دولت اندوزی میں انہماک کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی یاد اور فکرِ آخرت سے غافل ہو جاتا ہے، جہاں شریعت مال خرچ کرنے کا حکم دیتی ہے۔ وہاں خرچ کرنے سے گریز کرتا ہے اسی کا نام بخل اور کنجوسی ہے جو نفس کی بہت مہلک بیماری ہے۔ اس قسم کے سب گناہوں کا نتیجہ، عذابِ قبر، عذابِ جہنم، اور آخرت میں ذلت و رسوائی ہے۔ زکوٰۃ اس قسم کے گناہوں سے محفوظ رکھتی ہے اور عذابِ الٰہی سے بچنے کا بہت عمدہ ذریعہ ہے۔

۲:۔ زکوٰۃ کی وجہ سے بہت سے حاجت مندوں کی حاجتیں پوری ہوتی ہیں اور ضروریاتِ زندگی کی حد تک بلکہ اس سے بڑے بڑے دائرے میں، معاشرے کی معاشی سطح بالکل ہموار اور یکساں ہو جاتی ہے یعنی اس میں کوئی قابلِ تذکرہ نشیب و فراز نہیں باقی رہتا، دوسرے الفاظ میں مناسب اور پسندیدہ درجہ میں ضروریاتِ زندگی یعنی ضروری غذا، لباس، جائے قیام، اور سہولتِ علاج کا انتظام ہر شخص کے لیئے ہو جاتا ہے۔ اور معاشرے میں کوئی شخص بھی ناداری اور افلاس کی وجہ سے فاقہ کشی پر مجبور نہیں ہوتا کیونکہ زکوٰۃ کی رقم، فقراء، مساکین اور ناداروں میں تقسیم کی جاتی ہے جو انکی قوتِ خرید بڑھا دیتی ہے۔

۳۔ زکوٰۃ کی وجہ سے تجارت میں ترقی ہو کر عام مرفہ الحالی پھیلتی ہے۔ اور وہ اس مال کو فراخ دلی کے ساتھ خرچ بھی کرتے ہیں تاکہ دوبارہ مالِ زکوٰۃ کے مستحق رہیں، اور مال جمع کر کے کسی دن خود مالکِ نصاب بن کر زکوٰۃ میں اپنا استحقاق نہ زائل کر دیں۔

۴۔ نفسیاتی اصول ہے کہ انسان کا ظاہر باطن سے اور باطن ظاہر سے متاثر ہوتا ہے۔ اس قاعدے کے بموجب زکوٰۃ دینے والے کے دل میں دوسروں کے ساتھ ہمدردی کا جذبہ پیدا ہوتا ہے کیونکہ اس کا ظاہری عمل (یعنی زکوٰۃ دینا) اسی اچھی خصلت کا نمونہ ہے۔ جس سے اس کا باطن یعنی دل متاثر ——————

ہوتا ہے اور اس کے نفس میں یہ خصلت پیدا ہو جاتی ہے اور اگر پہلے سے موجود ہو تو مستحکم اور مضبوط ہو جاتی ہے۔

۵۔ جن لوگوں کو زکوٰۃ دی جاتی ہے۔ ان کے دل میں عطا کرنے والے کی محبت اور اس سے ہمدردی پیدا ہو جاتی ہے۔ کیونکہ ہر سلیم الطبع انسان احسان سے متاثر ہوتا ہے۔

طرفین کے ان پاکیزہ جذبات ہمدردی و مروت کی وجہ سے معاشرے پر اتحاد، ہمدردی اور امدادِ باہمی کے میلانات غالب رہتے ہیں، جو سوسائٹی کی فضا کو خوشگوار اور سکون بخش بنا دیتے ہیں۔

۶۔ فریضۂ زکوٰۃ کے احساس کی وجہ سے مال داروں میں مال جمع کرنے کا رجحان کمزور ہو جاتا ہے۔ اور اس کے بجائے مال و دولت خرچ کرنے کے رجحان کو قوت حاصل ہوتی ہے، کیونکہ زکوٰۃ آمدنی پر نہیں بلکہ پس انداز اور جمع کئے ہوئے مال پر فرض ہے۔ دولت جمع کرنے سے اس میں کمی کا اندیشہ ہوتا ہے۔ اگر اس میں اضافہ نہ ہوتا رہے تو زکوٰۃ کی وجہ سے وہ چند سال میں ختم ہو جائے اس لئے عقلمندی کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ مال کو کسی پیدا آور کام میں لگا دیا جائے مثلاً کوئی کارخانہ کھولا جائے یا دوکان کر لی جائے۔ گویا اصطلاحی الفاظ میں شغل اصل (INVESTMENT) ہی مفید نظر آتا ہے اور اسی کی خواہش پیدا ہوتی ہے یہ چیز اجتماع یعنی قوم و ملک کے لئے بہت مفید ہوتی ہے۔ کیونکہ اس سے.... ملک و قوم کے کاروبار میں ترقی ہوتی ہے۔ دولت کی افادیت کا دائرہ وسیع ہو جاتا ہے اور وہ تجوری میں رہنے کی بجائے بکثرت ہاتھوں میں پہنچتی ہے۔ بیکاروں اور بے روزگاروں کو کام اور روزگار میسر آتا ہے۔ اور بہت سے حاجت مندوں کی حاجتیں پوری ہوتی ہیں۔

صوم یعنی روزہ

اسلامی مہینوں میں ماہِ رمضان کا نام اس قدر مشہور ہے کہ جاہل مسلمان بھی اس سے واقف ہیں۔ اسکی شہرت کا سبب اسکی یہ خصوصیت ہے کہ اسمیں ایک عجیب مگر بہت حکمت آمیز عبادت کی جاتی ہے جس کا نام عربی میں "صوم" اور اردو میں "روزہ" ہے۔

روزے کو میں نے عجیب عبادت اس لئے کہا کہ اسکی کوئی ظاہری شکل و صورت نہیں جسے کوئی دیکھ سکے، طلوع صبح صادق سے غروب آفتاب تک کھانے پینے اور جنسی لطف اندوزی کو چھوڑ دینے اور ان سے احتراز کرنے کا نام "صوم" یعنی روزہ ہے۔ گویا روزہ کسی کام کے کرنے کا نام نہیں بلکہ چند کاموں کے ترک کرنے کا نام ہے، روزہ دار چلتا پھرتا اور بات چیت کرتا ہے، پڑھتا اور سوتا ہے۔ مگر ہر حالت میں مصروفِ عبادت رہتا ہے اور ان کاموں سے اسکی عبادت "صوم" میں کوئی خلل نہیں واقع ہوتا۔ دیکھنے والا اسے کسی عبادت میں مشغول نہیں پاتا اور نہ بتائے بغیر اسے اس کے

روزہ کا حال معلوم ہو سکتا ہے۔ صومِ رمضان فرض ہے اور بغیر عذرِ شرعی اسے چھوڑنا سخت گناہ اور اس کے فرض ہونے کا انکار کرنا کفر ہے۔ جو شخص صومِ رمضان کے فرض ہونے سے انکار کرے وہ کافر ہو جاتا ہے، اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۝

اے ایمان والو! تمہارے اُوپر بھی روزے فرض کئے گئے ہیں جسطرح تم سے پہلے ہونے والی اُمتوں پر فرض کئے گئے تھے تاکہ تم متقی بن جاؤ۔

(البقرہ پ۲)

آیت سے روزِ روشن کی طرح روشن ہے کہ صومِ رمضان ہر بالغ مسلمان پر فرض ہے۔

حالتِ سفر میں جب سفر شرعی ہو یعنی کم از کم اڑتالیس میل کی مسافت طے کرنے کی نیت ہو، تو رمضان کا روزہ قضا کرنا اور سفر ختم ہونے کے بعد اسکی قضاء رکھ لینا جائز ہے، اسی طرح بعض اور صورتیں بھی ہیں جن میں یہ طریقہ اختیار کیا جا سکتا ہے۔ اور بعض مجبوری کی حالتیں ایسی ہیں جن میں روزے کی بجائے "فدیہ" یعنی مقررہ صدقہ دیا جا سکتا ہے۔ ان مسائل یا صوم کے متعلق دوسرے مسائل کو کتب فقہ میں دیکھنا یا کسی عالم دین سے دریافت کرنا چاہیئے۔ یہ مختصر اشارہ اس لئے کر دیا گیا کہ پڑھنے والوں کو شریعت مطہرہ کی نرمی و سہولت کا کچھ اندازہ ہو جائے۔

صوم کی یہ خصوصیت کہ وہ چھپا رہتا ہے اور کسی کو دکھایا نہیں جا سکتا نہ کوئی اسے دیکھ سکتا ہے، اُسے ریا اور دکھاوے کے خطرے سے محفوظ اور اخلاص کے نور سے منور کر دیتی ہے۔ روزہ دکھاوے کے لئے نہیں رکھا جا سکتا۔ کیونکہ اگر ریا اور دکھاوا مقصود ہو تو آدمی خلوت میں تو کھا پی سکتا ہے۔ جب خلوت میں بھی روزے سے رہتا ہے تو اس کے خلوص میں کسی شبہ کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ اسی لئے ایک حدیث قدسی[۱] میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

کل عمل ابن آدم یضاعف الحسنۃ بعشر امثالها الی سبعمائۃ ضعف۔ قال اللہ تعالیٰ الا الصوم

ابنِ آدم کے ہر عملِ (خیر) کی جزا دس گنی سے سات سو گنی تک ملتی ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ سوا روزے کے پس بیشک وہ (روزہ)

---

[۱] حدیث قدسی اس حدیث کو کہتے ہیں جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا، مگر الفاظ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہوتے ہیں اور معنی اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہوتے ہیں

فانہٗ لِی وَاَنَا اَجْزِی بِہٖ ۔ — مخصوص طور پر صرف میرے لئے ہوتا ہے۔ اور میں ہی اسکی جزا دونگا۔

(مشکوٰۃ کتاب الصیام ص۱۷۳)

عبادات میں صرف صوم کی خصوصیت ہے کہ اس میں ریا کی گنجائش نہیں۔ یہ بات کسی عبادت میں نہیں پائی جاتی۔ دوسری عبادتوں مثلاً نماز، صدقہ وغیرہ میں ریا سے بچنے اور اخلاص پیدا کرنے کی کچھ نہ کچھ کوشش کرنا پڑتی ہے مگر روزے میں معمولی نیت ہی سے اخلاص خودبخود پیدا ہو جاتا ہے اور ریا کا شبہ باقی نہیں رہتا۔ روزے کی اس خصوصیت کو سامنے رکھنے سے حدیث مذکور کا مطلب یہ سمجھ میں آتا ہے کہ صوم دوسروں کی نظروں سے مخفی ہوتا ہے۔ اس لئے اسکی جزا بھی مخفی رکھی گئی اور وہ اتنے اونچے درجہ کی ہوگی کہ اس دنیا میں اسکا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ گویا اسے عقل و تخیل سے بھی پوشیدہ کر دیا گیا تاکہ جب قیامت کے دن اسکی جزا عطا فرمائی جائے تو روزہ دار کو حیرت کے ساتھ مسرت بے پایاں بھی حاصل ہو کیونکہ جب کوئی نعمت یکایک ملتی ہے تو اسکا لطف بڑھ جاتا ہے۔ خصوصاً جب وہ نعمت بہت بڑی اور توقع سے بہت زیادہ ہو۔ ——

(باقی)

چینی کی پریشانی

شکر کے غم سے پریشان ہے ہر امیر و غریب
یہ کہہ رہا تھا کوئی شخص گھنٹہ گھر کے قریب
کوئی تو صورتِ اُمید اب نظر آئے
خدا کرے مجھے پیشاب میں شکر آئے

(دلاور فگار)

مہنگائی

اہلِ مریدکے کا احتجاج

لبھدا نئیں کجھ وکھند تے آٹا
سُتھن اُدھڑی کُرتا پاٹا۔
لیڈراں دے لئی شرم دا گھاٹا
روٹی کپڑا ہور مکان
واہ حکومتِ پاکستان

روشنی کی کرن

حامد سراج

ٹھک ٹھک ٹھک

دروازے پہ دستک ہوئی

میں نے اُٹھ کر دروازہ کھولا ..... اجنبی کے ہمراہ سرد ہوا کا جھونکا بھی اندر آگیا چند لمحوں میں سرد ہوا کا جھونکا تو کہیں کھو گیا مگر اجنبی میرے سامنے بیٹھا رہا۔ تھکا تھکا، اداس اداس، نڈھال نڈھال سا میں اُسے دیکھتا رہا۔ دونوں گم سم ایک دوسرے کو تکا کئے۔

کیسے آئے ہو ... ؟

خاموشی گہری خاموشی .....

اجنبی کیسے آئے ہو۔ بولو گے نہیں۔

اس کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں اور وہ ساون بھادوں کی طرح برسنے لگا۔ کافی دیر بعد جب آنسو اس کے چہرے پر خشک ہو گئے تو لگا جیسے ساون کے کھل کر برسنے پر بھی اسکی ویرانیاں کم نہیں ہوئیں۔ میں نے چائے کا کپ اس کے سامنے رکھا۔ چائے سے اُٹھتی بھاپ کے ساتھ اس کے اندر سے باتوں کی بھاپ اُٹھنے لگی۔

میں تھک گیا ہوں۔ بہت تھک گیا ہوں۔ ویران ہو گیا ہوں۔ بہت اندھیرا ہے۔ میرے اندر بہت اندھیرا ہے۔ ساری روشنیاں گل ہو گئی ہیں۔ لگتا ہے چراغ صرف بجھے ہی نہیں بجھ کے، کہیں اتھاہ گہرائیوں میں گم ہو گئے ہیں۔ شاید وہ کبھی نہ ملیں اور میری زندگی میں روشنیاں .... ہاں روشنیاں .... الفاظ ٹوٹتے جڑتے سے ہیں۔ وہ کہنے لگا.... میں بیمار ہوں — میری روح سسک رہی ہے ——— گناہوں کے لاتعداد انگارے میں نے نگل لئے ہیں۔ معصیت کی دلدل نے مجھے نگل لیا ہے.... میں جتنی بھی کوشش کرتا ہوں جتنے بھی ہاتھ پاؤں مارتا ہوں، رہائی پانے کی بجائے کہیں اور نیچے کی طرف اپنے آپ کو اُترتا ہوا محسوس کرتا ہوں۔

وہ بولتا رہا ۔۔۔ میں سنتا رہا

میں نے نئی زندگی کی روشنیاں اپنے اندر سمیٹنے کی بہت کوشش کی۔ میں نے زندگی کو روشن کرنا چاہا مگر ان روشنیوں نے روشنی کی بجائے تاریکیاں بچھائیں۔ میں نے لاتعداد فلمیں دیکھیں۔ کلبوں میں ڈانس کئے۔ صنفِ نازک کو باہوں میں لے کے جھوما۔ مغرب کی اندھا دھند تقلید میں اتنا دور نکل گیا کہ کوئی تصور بھی نہیں کر سکتا مگر کل رات اچانک ایک حادثہ ہو گیا۔

کیا کہہ رہے ہو ۔۔۔۔ حادثہ ہو گیا۔ کیا حادثہ ۔۔۔۔ ؟ میں نے اس کے اُلجھے بالوں پہ نظریں ڈالتے ہو کہا۔ ہاں ہاں حادثہ ۔۔۔۔ اور اسی لئے میں تمہارے پاس آیا ہوں ۔۔۔۔ علاج لینے راستہ پوچھنے

کیا کہہ رہے ہو اجنبی مجھے تو کچھ سمجھ نہیں آ رہا ۔۔۔۔

کل رات جب میں بہت دیر میں گھر لوٹا تو تھکا ہارا جوتیوں سمیت ہی بستر میں گھس گیا ۔۔۔۔ میری آنکھ لگ گئی ۔۔۔۔ یا خدا وہ خواب تھا یا حقیقت ۔۔۔۔ میں نے ایک آواز سنی ، دلوں کو چیرتی ، دماغوں کو مسخر کرتے ، زندگی کو منور کرتی اور روح کو جھنجوڑتی ہوئی ۔۔۔۔ کوئی کہہ رہا تھا :

" میں نے چوالیس برس لوگوں کو قرآن سنایا۔ پہاڑوں کو سناتا تو عجب نہ تھا کہ اُن کی سنگینی کے دل چھوٹ جاتے۔ غاروں سے ہمکلام ہوتا تو جھوم اُٹھتے۔ چٹانوں کو جھنجوڑتا تو چلنے لگتے۔ سمندروں سے مخاطب ہوتا تو ہمیشہ کے لئے طوفان کنارہ ہو جاتے۔ درختوں کو پکارتا تو دوڑنے لگتے۔ کنکریوں سے کہتا تو لبیک کہہ اُٹھتیں صرصر سے گویا ہوتا تو وہ صبا ہو جاتی۔ دھرتی کو سناتا تو اس کے سینے میں بڑے بڑے شگاف پڑ جاتے۔ جنگل لہرانے لگتے۔ صحرا سرسبز ہو جاتے مگر میں نے ان لوگوں کو خطاب کیا جن کی زمینیں بنجر ہو چکی ہیں۔ جو برف کی طرح ٹھنڈے ہیں جن کے ہاں دل و دماغ کا قحط ہے جن میں ٹھہرنا المناک اور جن سے گزر جانا خطرناک ہے جن کے سب سے بڑے معبود کا نام طاقت ہے "

ہاں ہاں ابھی تک وہ آواز میرے اندر گونج رہی ہے میرے اندر گناہوں نے جو بڑے بڑے مضبوط قلعے بنائے ہیں اور ان قلعوں کی حفاظت کے لئے شیطانوں کی ایک پوری فوج ہر وقت چوکس رہتی ہے ۔۔۔۔ ہاں ہاں ۔۔۔۔ کل رات اس آواز نے ان قلعوں میں دراڑیں ڈالدیں ۔۔۔۔ شیطانوں کی فوج بھسم ہو کر رہ گئی ۔۔۔۔ ایک نئی فوج ابلیس کی قیادت میں نکلی مگر اس آواز کی گھن گرج سے زمین بوس ہو گئی۔

رات دھیرے دھیرے سمٹ کو سرک رہی تھی اور وہ لبے سے سامنے اُس آواز کے مقدس حلقے

میں بیٹھا اسے اپنی داستان سنا رہا تھا .... وہ مجھ سے پوچھنے لگا ....

یہ کس کی آواز ہو سکتی ہے ؟

کسی فرشتہ کی ؟

کسی مقدس روح کی ؟

اس نے ایک ٹھنڈی آہ بھری اور کہنے لگا اب جانے ایسی خوبصورت آواز کبھی سن بھی پاؤں گا یا نہیں ؟

میں نے اُسے تسلی دیتے ہوئے کہا ... پیارے روشنی کی جو کرن تم نے دیکھی ہے وہ تمہیں منزل تک لے جائیگی ۔ ایسی منزل جہاں اندھیرا نام کو نہیں ..... آؤ میں تمہیں ایسی بہت سی آوازیں سناؤں تاکہ تمہارے دل پر سے تاریکیاں چھٹ جائیں اور تم روشنیوں کے ایسے مقدس شہر میں جا بسو جہاں مقدس ہستیاں تمہارا استقبال کریں ۔

میں اٹھ کر کمرے میں ٹہلنے لگا ۔ وہ ٹکٹکی باندھے مجھے دیکھتا رہا ....

میں نے پلٹ کر اس سے سوال کیا ۔

اجنبی کبھی مرزائیوں سے بھی راہ و رسم رہی ہے ۔

راہ و رسم ..... میں تو اُن کے بہت قریب رہا ہوں ۔ انہوں نے دلائل دے دیکر مجھے قائل کرنا چاہا کہ اُن کا مذہب سچا ہے ۔ چند دن پہلے ہی ایک مرزائی دوست نے مجھے کہا کہ اب میں اُن کا مستقل ممبر بن جاؤں ..... میں ڈگمگایا تو وہ آواز جو خواب میں گونجی ، اس کی دلائل سننے کے بعد مجھے یوں لگا جیسے ابھی تک میں کانٹوں بھرے جنگل میں بھٹک رہا ہوں ۔

آؤ دوست ..... وہی گونج میں تمہیں سناؤں

وہ اپنے گھٹنوں پر چہرہ ٹکائے مجھے حیران آنکھوں سے دیکھنے لگا .....

الفاظ میری زبان سے پھسلنے لگے .....

یہ اکتوبر ۱۹۳۴ء کی بات ہے .... وہ ہستی جسے تم نے خواب میں سنا ہے اسی کی گونج فضاؤں میں بکھری اوراق پر چھپی اور دلوں پر ثبت ہوگئی ..... فرنگی کا جسم میدانِ حشر سے پہلے ہی اسی دنیا میں پسینے سے شرابور ہو گیا

......فرعونی تخت اُلٹا جا رہا ہے ۔ انشاء اللہ یہ تخت نہیں رہے گا ۔ وہ نبی کا بیٹا ہے میں نبی کا نواسہ ہوں وہ آ جائے تم سب چپ چاپ بیٹھ جاؤ وہ مجھ سے اردو فارسی پنجابی میں ہر معاملے پر بحث کر لے ۔ یہ جھگڑا آج ہی ختم ہو جائیگا ۔ وہ پردے سے باہر آئے نقاب اٹھائے ۔ کشتی لڑے ۔ مولا علی کے جوہر دیکھے وہ بڑے ٹھاٹ میں آئے وہ موٹر میں بیٹھ کر آئے میں ننگے پاؤں آؤں وہ ریشم پہن کر آئے میں کھدر کا کُرتا ۔ وہ زعفران کباب ، یاقوتیاں اور پومرکی ٹانک اپنے آبا کی سنت کے مطابق کھا کر آئے ۔ میں اپنے نانا کی سنت کے مطابق جو کی روٹی کھا کر آؤں ۔ یہ ہمارا مقابلہ کیسے کر سکتے ہیں یہ برطانیہ کے دم کٹے کتے ہیں وہ خوشامد میں برطانیہ کے بوٹ صاف کرتا ہے میں تکبر سے نہیں کہتا بلکہ خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ مجھے اکیلا چھوڑ دو پھر بشیر کے اور میرے ہاتھ دیکھو ۔ کیا کروں لفظ تبلیغ نے ہمیں مشکل میں ڈال دیا ہے یہ سیاسی مجلس نہیں ہے ۔ او مرزائیو . . . . اگر باگیں ڈھیلی ہوتیں تو میں کہتا ہوں کہ اب بھی ہوش میں آؤ تمہاری طاقت اتنی بھی نہیں جتنی پیشاب کی جھاگ کی ہوتی ہے .....“

جو پانچویں جماعت فیل ہوتے ہیں نبی بن جاتے ہیں کیونکہ ہندوستان میں ایک مثال موجود ہے جو فیل ہوا ۔ نبی بن گیا ۔ او مسیح کی بھیڑو .... تم سے کسی کا ٹکراؤ نہیں ہوا جس سے اب مقابلہ پڑا ہے یہ مجلس احرار ہے اس نے تم کو ٹکڑے ٹکڑے کر دینا ہے ۔

او مرزائیو .... اپنا نبوت کا نقشہ دیکھو اگر تم نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا تو نبوت کی شان تو رکھتے اگر تم نے مرزائیت کا دعویٰ کیا تھا تو انگریزوں کے کتے نہ بنتے .... “

میرا جرم یہ ہے کہ میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خادم ہوں اس جرم میں یہ سزا بالکل کم ہے میں خاتم الانبیاء پر ایسی ہزار جانیں قربان کرنے کے لئے تیار ہوں مجھے شیروں اور چیتوں سے ٹکڑے ٹکڑے کرا دیا جائے اور پھر کہا جائے کہ تمہیں بجرم عشق محمد تکلیف دی جا رہی ہے تو میں خندہ پیشانی سے اس سزا کو قبول کر لونگا ..... میرا آٹھ سالہ بچہ عطاء المنعم اور اس جیسے ، خدا کی قسم ، ہزار بچے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حرمت پر نچھاور کر دوں “

اجنبی کی آنکھوں سے آنسو موتی موتی بن کر گالوں سے ڈھلک رہے تھے ..... اس نے دائیں ہاتھ سے اپنے الجھے بالوں کو ماتھے پر سے ہٹاتے ہوئے پوچھا ..... ب بیبیاں نہ سمجھاؤ اور بتاؤ ..... یہ کون ہیں ؟ کہاں ہیں ؟ کیسے ملوں ان سے ؟

اتنے میں مؤذن کی آواز کانوں سے ٹکرائی .....

اللہ اکبر اللہ اکبر

لا اِلٰہَ اِلا اللہ ......

اجنبی یہ آواز تھی امیرِ شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کی ...... جن کی گونج سے فرنگی کے ایوان ہمیشہ لرزتے رہے ۔ امیرِ شریعت زندہ ہیں اور ایسے لوگ اپنے کارناموں ، کاموں کی بدولت ہمیشہ زندہ رہتے ہیں ..... میں نے اُسے الماری سے امیرِ شریعت کی سوانح عمری نکال کر دی ......

کتاب لے کر جب وہ رُخصت ہوا تو اس کے چہرے پر سکون کی لہریں رقصاں تھیں اور باہر روشنی کی کرنیں سپیدۂ سحر کے نمودار ہونے پر چار سُو کائنات کو منور کر رہی تھیں ۔

ادارہ

مولانا اسد اللہ قاسمی رحلت فرما گئے ———— اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیہِ رَاجِعُون

ہمارے دیرینہ ، مہربان اور مخلص رفیق حضرت مولانا اسد اللہ قاسمیؒ ۳۰ راگست ۱۹۸۹ء کو مدرسہ دارالعلوم حقانیہ ساہیوال (سرگودھا) میں نمازِ ظہر کی ادائیگی کے لئے وضو کے بعد حرکتِ قلب بند ہو جانے سے خالقِ حقیقی سے جا ملے ۔ انا للّٰہ و انا الیہ راجعون ۔ قارئین نقیبِ ختمِ نبوت اور احرار دوستوں کے لئے مولانا مرحوم کی جدائی ایک بڑا صدمہ ہے ۔ مولانا مرحوم تمام عمر توحید ، ختمِ نبوت اور ناموسِ ازواج و اصحابِ رسول علیہم السلام کے تحفظ کیلئے جدوجہد میں مصروف رہے ۔ انہوں نے جامع مسجد قطب الدین جھنگ میں حضرت مولانا محکم الدین مدیرؒ مرحوم سے زانوئے تلمذ طے کیا اور اپنے اُستاد مرحوم کے بعد اسی مسجد میں چوبیس سال تک خدمتِ دین میں مصروف رہے ۔ اُنہوں نے نوجوانوں میں دینی و علمی ذوق پیدا کرنے کے لئے جھنگ میں " دارالعلوم سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ قائم کیا ۔

وہ حضرت امیرِ شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور تمام علماءِ حق سے حد درجہ محبت رکھتے تھے ۔ احرار کے فکر و نظر سے متفق تھے ان کی دینی خدمات ناقابلِ فراموش ہیں آپ نقیبِ ختمِ نبوت کے مستقل قاری تھے اور اپنے حلقۂ احباب میں اسے زیادہ سے زیادہ متعارف کراتے ۔ اللہ تعالیٰ اُنکی لغزشیں معاف فرمائے ۔ اُنہیں جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائے اور لواحقین کو صبرِ جمیل عطا فرمائے (آمین)

ادارہ کے تمام اراکین و معاونین اس غم میں لواحقین کے شریک ہیں اور مغفرت کیلئے دعا گو ہیں

سید عطاء المحسن بخاری

غزل

ڈیرے جما کے بیٹھ گئی پستی مکان میں
تقسیم ہوگئی مری ہستی مکان میں

خوف و ہراس، وحشت و دہشت ہے شہر میں
تم نے بسیرا کر لیا اونچے مچان میں

شہر پناہ مشرق و مغرب سے ہل گئے
جانِ پدر، اے جانِ زر ہو کس دھیان میں

سنبھلو! کہ چاروں طرف سے یہ غُلت ہوا
پکڑو پکڑ لو وہ رہا اس مکان میں

دیکھو چمن کو یوں نہ اُجاڑو اے ظالمو!
پتّہ، شجر کو پھول کو لے لو امان میں

بستے ہیں جیسے لوگ بھی اپنے ہی شہر میں
مجھ کو بھی رہنے دے میرے چھوٹے مکان میں

دنیا ترے لئے ہے قیادت ترے لئے
عقبیٰ مرے لئے ہے مرے اس مکان میں

میاں طفیل محمد کا نیا اشقلہ

قمر الحسنین

سید مودودی کی فکر پر جنگ فورم میں گفتگو ہوئی جسمیں متصادم فکر کے مالک لوگوں کو دعوت سخن دی گئی۔ میاں طفیل محمد صاحب جو بھٹو دور کے "زخموں" سے فرتوت ہو چکے ہیں بھی مدعو تھے۔ انہوں نے دوران گفتگو کہا کہ:

"میں سید عطاء اللہ شاہ بخاری کا معتقد تھا ایک روز میں نے کہا کہ آپکی تقریریں سن کر جی چاہتا ہے کہ سب کچھ کر گزریں لیکن ایک سید مودودی لاہور میں رہتا ہے۔ اسکی تحریریں پڑھکر اندازہ ہوتا ہے کہ آپ سب غلط کر رہے ہیں تو مجھے سید عطاء اللہ شاہ بخاری نے کہا کہ ایمانداری کی بات ہے اگر دین کی خدمت مقصود ہے تو سید مودودی صحیح کہتا ہے۔ باقی تو سب پیٹ کا دھندہ ہے۔"

(روزنامہ جنگ لاہور ۲۳ ستمبر)

قطع نظر اس سے کہ سید عطاء اللہ شاہ بخاری نے یہ کہا ہے کہ نہیں اس سلسلہ میں چند باتیں غور طلب ہیں۔ اولاً یہ کہ وہ بات جس کا حوالہ فردِ واحد ہو قابل اعتنا نہیں ہوتی ثانیاً یہ کہ جو فرد اور جماعت مسلمانوں میں خود متنازعہ ہو اسکی روایت ان لوگوں کے بارے میں ہرگز معتبر نہیں ہے جو مخالف کیمپ کا ہو سید عطاء اللہ شاہ بخاری کسی دور میں بھی جماعتِ اسلامی کے متفق، معاون، رکن نہیں رہے بلکہ انہوں نے سید مودودی کے قلم سے نکلنے والے دینی مسائل کو نہ صرف رد کیا بلکہ انہیں پبلک پلیٹ فارم پر مردود قرار دیا اور انکی سیاسی روش کو روزِ اول سے ہی غلط کہا کیونکہ سید مودودی قوم میں عملی جدوجہد کی روح پیدا کرنے کی بجائے اور قومی و دینی جدوجہد میں عملی شرکت کے علی الرغم ڈرائینگ روم کی سیاست پر یقین رکھتے تھے اور ہندوستان بھر کی دینی شخصیتوں، جماعتوں اور تحریکوں کی تغلیط کرتے تھے ثالثاً میاں صاحب نے اس گفتگو کا نہ تو محل بتایا نہ موقع نہ تاریخ نہ ماہ و سال اور نہ مقام گفتگو نہ ہی یہ بتایا کہ میاں صاحب اور سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی یہ گفتگو خلوت میں ہوتی یا مجلس میں؟ خلوت کی بات ہے تو اس کے اظہار کی کوئی حقیقت نہیں ہاں در مدحِ خود می سرایدو والی بات ہے اور اگر یہ کسی مجلس کی بات ہے تو مجلس ہی میں موجود کسی

شخص اور معروف شخص کا نام بتائیں کیونکہ سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی مجلس زندہ ہوتی تھی بکروں اور منشیوں کی مجلس بے رونق نہیں ہوتی تھی ایسی کوئی مجلس بتائیں جس میں علاقہ کی معروف شخصیتیں موجود نہ ہوں۔

رہا سید عطاء اللہ شاہ بخاری نے تقسیم ملک سے قبل سید مودودی کی کوئی کتاب دیکھنا پسند ہی نہیں کی۔ خاکسار نے میاں صاحب کا سیاسی پیرا فاروق احمد نے لکھا جو ۸ فروری ۱۹۸۷ء کے مشرق سپیشل ایڈیشن میں شائع ہوا کہ میاں صاحب ۱۹۳۸ء میں جونیئر وکیل کی حیثیت سے زندگی کی شاہراہ پر گامزن ہوئے۔ جب ۱۹۴۰ء میں منٹو پارک لاہور میں قرارداد پاکستان منظور کی گئی تو میاں صاحب اسمیں شریک تھے۔

ایک بات کی تردید تو اسی سے ہوتی ہے کہ میاں صاحب احرار کے پروگرام سے نہ صرف یہ کہ متفق نہیں تھے بلکہ وہ مسلم لیگ سے متاثر تھے۔ مسلم لیگ اور احرار کی فکری پوزیشن ۱۹۴۰ء میں عروج پر تھی۔ کیونکہ مسلم لیگ نے مرزائیوں کو نہ صرف مسلمانوں کا سیاسی نمائندہ بنا دیا تھا۔ بلکہ ظفر اللہ خان کو مسلم لیگ کی صدارت تک دے دی تھی (علاقائی اور مسلم لیگ پر انگریز کے وفاداروں اور ٹوڈیوں کا غلبہ ہو چکا تھا۔ یوں میاں صاحب تو احرار دشمنوں کے نرغے میں تھے سارا سایہ کہ مجلس احرار اسلام نے ۱۹۳۳ء میں ریاستی جبر کے خلاف کپورتھلہ میں (جو میاں صاحب کا جنم بھومی ہے) میں کام کا آغاز کیا۔ علاقہ کے مشہور اور بہادر احرار بزرگ چوہدری عبدالعزیز بیگووال نے ہندوؤں کی چیرہ دستیوں معاشی ظلم اور مسلم کشی اور بے حرمتی کو آڑے ہاتھوں لیا تو ہندو حاکم نے انہیں پانچ برس کیلئے جیل بھیج دیا۔ میاں صاحب اس وقت کہاں تھے۔ کیا انہوں نے اس تحریک میں کسی قسم کی شرکت کی؟ سید عطاء اللہ شاہ بخاری ماسٹر تاج الدین نے ریاست کپورتھلہ کو اپنی عوامی تحریک کا مرکز بنایا کیا میاں صاحب نے کبھی اس کا قرب اور اس قرب کی حرارت اپنے اندر محسوس کی یقیناً ایسا نہیں ہے ورنہ ایسا ممکن ہی نہیں تھا کہ میاں صاحب، شاہ صاحب کے جذبہ حریت سے متاثر ہوتے یا عقیدت میں پناہ لیتے تو کسی اور جانب جھانکنے اور جھکنے کی ضرورت محسوس کرتے میاں صاحب کا یہ کہنا کہ وہ حضرت امیر شریعت کے معتقد تھے برائے وزن بیت ہے حقیقت نہیں۔

فاروق احمد صاحب لکھتے ہیں کہ میاں صاحب نے قرارداد پاکستان کے واقعہ کے دوران ہی سید مودودی کا ترجمان القرآن پڑھنا شروع کیا اور اُن کی تحریر سیاسی کشمکش حصہ سوم کو سب سے پہلے پڑھا جسے پڑھ کر میاں صاحب سید صاحب کے ہو کر رہ گئے۔ پھر ۱۹۴۲ء میں وہ جماعت اسلامی کے دارالاسلام میں پہنچے۔ پھر وہیں سے ایک آپ بھی تھے جو پھر ترجمان القرآن لاہور میں آکر ۴۰ روپے ماہانہ کے ملازم ہو گئے!

پھر ۱۹۴۸ء میں جماعت اسلامی کے دارالاسلام پٹھانکوٹ میں سیکرٹری جنرل کے طور پر نمایاں ہوئے اور ۱۰۰ روپے ماہانہ تنخواہ قبول فرماتے رہے ۔

میاں صاحب نے چونکہ حضرت امیر شریعت سے اپنی ملاقات کا سن نہیں بتایا اس لئے ہمارے لئے اس کا یقین بہت مشکل ہے لیکن فاروق احمد نے میاں صاحب کا سیاسی چہرہ جس خوبصورتی سے لکھا ہے اس سے واضح ہوتا ہے کہ یہ ۱۹۴۱ء سے ۱۹۴۵ء کے درمیان کی بات ہے یعنی اس دور کی جب میاں صاحب ملازم ہو چکے تھے ۔ اگر ہم میاں صاحب کی شخصی روایت کو مان بھی لیں تو بات مزید نکھر کر سامنے آجاتی ہے کہ میاں صاحب جو مسلم لیگی تھے میاں صاحب جو مودودی کے ہو چکے تھے ۔ میاں صاحب جو ترجمان القرآن کے ملازم تھے میاں صاحب جو راحت و آرام سے دین کا کام کرنا چاہتے تھے وہ اگر حضرت امیر شریعت سے ملے بھی ہوں تو ان کا لب و لہجہ ظاہر ہے معتقدین کا نہیں ہوگا بلکہ ان کا لہجہ انتہائی سرد ہوگا جو ان کے مزاج کے بالکل مخالف بات تھی اور شاہ جی نے محسوس کر لیا ہوگا کہ یہ نوجوان اپنی سمت تو متعین کر چکا ہے لیکن انہیں محض پریشان کرنے کیلئے سر کھا رہا ہے اور اپنی چرب زبانی سے مودودی صاحب کی فوقیت و اہمیت جتا رہا ہے اور ان کے طرز عمل کو سراہتے ہوئے ہماری جدوجہد کو غلط سمجھ رہا ہے تو انہوں نے طنزاً اس سے ملتی جلتی کوئی بات کہہ دی ہو تو کچھ کہا نہیں جا سکتا لیکن میاں صاحب کے کیا کہنے کہ انہوں نے اس ”مشکوک“ روایت کو اپنی اور مودودی کی حقانیت کی دلیل بنا لیا ۔ میاں صاحب کو شاید یاد نہیں رہا کہ حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری نے ۱۹۵۳ء میں ختم نبوت کی تحریک میں مودودی صاحب کے عدم شرکت کے ”انکشاف“ پر پاکستان بھر میں اپنے خطابات میں کہا کہ :

”میں نے زندگی بھر سید مودودی جیسا جھوٹا شخص نہیں دیکھا سید ابوالاعلیٰ مودودی میرے گھٹنے سے گھٹنا لگائے راست اقدام کی میٹنگ میں موجود تھے اور اب کہہ رہے ہیں کہ میرا اس تحریک سے کوئی تعلق نہیں ہے“

یہ بات اخبارات کے ریکارڈ میں موجود ہے ۱۹۵۴ء میں فیصل آباد دھوبی گھاٹ کی تقریر مطبوعہ ہے پڑھ لیجئے جس کا جواب سید مودودی سے نہ بن پڑا تھا ۔

”پھر“ متعہ“ کے مسئلہ پر مودودی صاحب نے جو داد فقاہت و تحقیق دی ہے اس پر حضرت امیر شریعت کا منظوم تبصرہ شاید میاں طفیل نے پڑھا نہیں ، شاید بھول گئے ہیں اور یا پھر شاید ”کوڑوڑ“ گئے ہیں ۔ ہم انہیں سنائے دیتے ہیں اور اب اگر بھولے نا تو ......

ابوالاعلیٰ مرد خدا آ گیا ۔۔۔ جوانوں کا مشکل کشا آ گیا

نہیں ہوتی شادی تو کچھ غم نہیں ۔۔۔ کہ متعہ کا فرمان مدا آ گیا

(بقیہ صفحہ ۲۹ پر)

منصورہ میں متحدہ علماء کانفرنس

سید عطاء المحسن بخاری

۱۳، ۱۴ ستمبر کو منصورہ میں جماعتِ اسلامی کی ذیلی تنظیم "اتحاد العلماء" کی طرف سے ایک اجتماع منعقد ہوا۔ ملتان میں جماعت اسلامی کے بزرگ رہنما مولانا خان محمد ربانی میرے پاس آئے اور ہمیں شرکت کی دعوت دی میں نے ان سے دریافت کیا کہ کون کون سے بزرگ تشریف لانیکا وعدہ کر چکے ہیں تو انہوں نے کہا کہ حضرت مولانا خان محمد صاحب مدظلہ ۱۳ کی شام کو اجلاس کے صدر ہوں گے مزید جناب زاہد الراشدی جناب مولانا عبدالقادر آزاد اور بریلوی، اہلحدیث اور رہنما بھی شرکت کر رہے ہیں۔ میں نے شرکت کی حامی بھر لی اور ۱۳ کو ظہر سے پہلے منصورہ پہنچ گیا۔ جناب قاضی حسین احمد صاحب سے ملاقات ہوئی اُن سے میں نے پوچھا کہ قاضی صاحب اس اجتماع کی غرض و غایت کیا ہے تو انہوں نے فرمایا:

"علماء کی اپنی ثقافت ہے اُن کا اپنا ایک طرزِ زندگی ہے اور ہمارے پاس صرف انگریزی خواں طبقہ ہے جو علماء کو وہ مقام نہیں دیتا جس کے وہ مستحق ہیں۔ اتحاد العلماء نے اس کا اہتمام کیا ہے کہ تمام مکاتبِ فکر کے اکابر کو ایک جگہ جمع کیا جائے تاکہ "فاصلے کم کئے جا سکیں"۔

قاضی صاحب کی بات سنکر میں نے دل ہی دل میں یہ فیصلہ کر لیا کہ میں نے تقریر نہیں کرنی بس شرکت۔ اس کا نہ ہے میں سمجھتا ہوں کہ اتنی مضبوط اور وسائل سے مالامال جماعت محض اتنے سے حقیر کام کیلئے پاکستان بھر کے علماء کو جمع کرے بات نہیں بنتی میں تو سمجھتا تھا کہ جماعت اسلامی نے داعی کا مقام اپنا کر امت کے مذہبی طبقات کو متحد کرنے کا کوئی لائحہ عمل تیار کیا ہے اس پر گفتگو ہو گی۔ افہام و تفہیم کی نشستیں ہونگی اور علماء کرام جمہوریت اور بائیں اور دائیں کی دلدل سے نکلنے کی کوئی متحدہ حکمت عملی اور پالیسی طے کریں گے چنانچہ میں اپنے احرار دوستوں کی معیت میں رات کے اجلاس کی کارروائی دیکھنے اور سننے کیلئے منصورہ پہنچا اور مسجد کے جانب جنوب ایک کونہ میں بیٹھ گیا مگر کسی نے مولانا عنایت اللہ گجراتی کے کان میں میری آمد کا کہہ دیا انہوں نے فوراً مائیک پر مجھے پکارا اس کے ساتھ ہی اتحاد العلماء کے بعض ذمہ دار حضرات مجھے ڈھونڈنے میں کامیاب ہو گئے۔ بادلِ نخواستہ میں مسجد میں چلا گیا اور آخری صف میں بیٹھ گیا۔ مجھے نشست پر بیٹھے ابھی چند لمحے گزرے تھے کہ مشرکین عجم کا پانچ کا ٹولہ بھی سٹیج پر براجمان ہوتا دکھائی

دیا طبیعت بہت منغص ہوئی میں نے سوچا یہ حکمتِ عملی تو فاصلے بڑھانے کی ہے کم کرنے کی نہیں مولانا عنایت اللہ نے میرا نام پکارا کہ وہ بھی اپنے خیالات کا اظہار کریں ظاہر ہے کہ عجمی مشرکین کی موجودگی سے مجھ میں ایک خوفناک ارتعاش پیدا ہوا چنانچہ میں نے کہا :

”پاکستان میں دینی عناصر کا افتراق و انتشار اور اختلاف و نزاع کی بنیادی وجہ میرے نزدیک صرف اور صرف ایک ہے اور وہ ہے جمہوریت کا قبول کرنا جبکہ سوشلزم اور اس کا بانی جمہوریت اور اس کے بانی کی طرح کافر ہیں دونوں کافروں کا دیا ہوا نظام ریاست جمہوریت اور سوشلزم دونوں کفر ہیں اور ہم نے انہیں قبول کر کے تاویل کے بودے سہارے سے زندگی کی تمام توانائیاں اس بھٹی میں جھونک دی ہیں اور مشرکین عجم نے دین کا لبادہ اوڑھ کر اسلام کی نمائندگی اور تعبیر نو کا کام اپنے ہاتھوں میں لیکر اسلام کی شکل مسخ کر دی ہے ـــ ان حالات میں اتحاد العلماء کا یہ کام اگرچہ محض رسمی عمل ہے پھر بھی ان کی اس کاوش پر انہیں سلام کہتا ہوں ـــ لیکن یہ اتحاد و اتفاق اور اشتراک کی منزل کا راستہ نہیں۔ اس حکمت عملی سے مطلوبہ نتائج پیدا نہیں ہونگے ـــ اگر آپ مذہبی طبقات اور علماء کو ایک پلیٹ فارم پر متحد دیکھنا چاہتے ہیں تو اس کا احسن طریقہ وہ ہے جو سیدنا امام حسن نے اپنایا تھا اور سیدنا معاویہ کے ساتھ کمال حسنِ سلوک سے صلح کی تھی ـــــ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ

قارئین ملاحظہ کریں اور فیصلہ کریں کہ میرا یہ عمل کیا دینی لحاظ سے غلط ہے ؟ میری گفتگو علماء کے اختلاف اور نزاع کے ختم کرنے کیلئے کیا معقول اور مسنون تجویز نہیں ؟ کیا پوری امت علماء کے انتشار اور آپا دھاپی سے پریشان نہیں ہے ؟ اگر ارکا اتحاد العلماء کے پلیٹ فارم کجا نا کیا اس پریشانی کے حل کیلئے ”تعاون علی البر“ نہیں ہے ؟

مگر صاحب پاکستان کے سیاسی مولوی ہمارے اس عمل کو بری نگاہ سے دیکھتے ہیں انہوں نے مجھے خطوط بھی لکھے ہیں ان سے پوچھتا ہوں۔ حضرت مدنی قدس سرہ آغا خان سے پیکٹ کریں آپ اعتراض نہیں کرتے حضرت مدنی مسلم لیگ سے پیکٹ کریں آپ کی زبانیں گنگ رہتی ہیں حضرت مدنی کانگریس کے تابع مہمل ہو جائیں آپ راضی برضا رہتے ہیں ۔

مفتی محمود صاحب نیپ سے معاہدہ کریں تو آپ خوش و خرم پی پی پی سے آپ کی شرعی جھالروں کا ناطہ جوڑیں اور آپ مل کر گائیں ؎

مفتی بھٹو اور ولی
مل بیٹھے تو ناؤ چلی (ابن گیلانی)

اور جب یہ ناؤ ڈوبی تو مفتی صاحب سیدھے اچھرے سید مودودی سے جھک جھک کے ملیں اور آپ منفار زمیہ پر چشمِ فلک نے بار بار آپ کی سیاسی قلابازیاں دیکھیں اور چپ رہا۔ تم نہ شرمائے فلک شرما گیا

روز ملنا رقیب سے جا کر

ہم سے اتنی صفائیاں توبہ

ہم اگر زندگی میں پہلی بار منصورہ چلے گئے اور آپکی زبانِ طعن کے تیر و نشتر اُدھار کھا کر ہم پر برسنے کے لئے بے تاب ہیں آخر کیوں؟ کیا مجلس احرار جمعیت کی حلیف جماعت ہے کیا مجلسِ احرار نے جمعیت کے بزرگوں کی بیعت کرلی ہے کہ وہ اپنی آزاد رائے و عمل میں خود مختار نہیں ہیں۔ جب آپ نے ہر دور میں ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ بنائی ہے تو مجلس احرار کو اپنی آزاد خود مختار پالیسی بنانے اور اس پر عمل کرنیکا مکمل حق ہے۔

مجلس احرار اسلام نے جمعیت کی انہی مکروہ روشوں کی وجہ سے ۱۹۴۲ء میں علیحدگی کا اعلان کر دیا جمعیت العلماء کے اکابر و اصاغر ریکارڈ درست کرلیں اور اپنی زبان و قلم کو لگام دیں ورنہ سخن بسیار است۔

آئینۂ ایام

راستے میں اگر کوئی بچہ مٹی اڑا رہا ہو۔ تو وہ "بدتمیز ہے، اُلو کا پٹھا ہے۔ غریبوں کے بچوں کو رہنے کا سلیقہ نہیں آتا" جیسے غلیظ الفاظ سے نوازا جاتا ہے۔ اسکے برعکس اگر ایک ڈاکٹر، پروفیسر انجنیئر۔ سیاستدان۔ جاگیردار۔ دانشور۔ بیوروکریٹ اور سکالر قسم کا آدمی پانی اور مٹی والی جگہ، اپنی کار تیز چلاتے ہوئے راہگیروں پر گندے پانی کے چھینٹے اڑاتا اور لوگوں کو گرد و غبار سے آلودہ کرتا ہوا گذر جائے۔ تو وہ پھر بھی معزز شہری، دانشور اور مہذب ہی رہتا ہے۔ اُسے کوئی بدتمیز، جنگلی جانور، وحشی، اُلو کا پٹھا نہیں کہتا۔

ایک رافضی نے ایک ہندو سے سوال کیا؟

تم لوگ یہ "بجرنگ بلی کی جے" کیا کہتے رہتے ہو؟

ہندو نے جواب دیا: "تم لوگ یہ یا علی مدد یا علی مدد کیا کہتے رہتے ہو جس طرح تمہارے نزدیک علی رضہ طاقت کا سرچشمہ ہے۔ اسی طرح ہمارے نزدیک بجرنگ بلی قوت کی پہچان ہے۔

احرار کی یادیں

رفیق چوہدری

"ایک ترقی پسند کی سرگذشت"

ہمارے گھر کے سامنے کھلا احاطہ ہے، جس میں دو تین دیگیں اینٹوں کے چولہے پر رکھی ہیں۔ ان کے نیچے آگ جل رہی ہے۔ ان دیگوں میں لال رنگ پک رہا ہے ایک دیگ چولہے سے اترتی ہے۔ لڑکے، جوان، بڑی عمر والے بھی اپنی قمیصیں اتار کر اس میں ڈبو رہے ہیں۔ اس طرح ہر طرف لال ہی لال رنگ کے کپڑے پہنے لوگ نظر آرہے ہیں، بڑا جوش و خروش ہے۔ نعرۂ تکبیر، اللہ اکبر: کے نعرے لگ رہے ہیں۔

جب سے یہ خبر عام ہوئی ہے کہ جموں وکشمیر کے ہندو ڈوگرہ مہاراجہ نے مسلمانوں کی مقدس کتاب کی بے حرمتی کی ہے۔ مسلمانانِ ہند اور خاص طور سے پنجاب کے مسلمانوں کی نیندیں حرام ہوگئی ہیں اور مجلسِ احرار کے جتھے روزانہ پنجاب کے شہروں سے عازم جموں ہوتے ہیں، جن کو عموماً راستے ہی میں منتشر کر دیا جاتا ہے کچھ زیادہ جوشیلے نوجوان اپنے کو گرفتاری کیلئے پیش کرتے ہیں۔ میں ابھی چھوٹا بچہ ہی تھا میں نے شلوار اور قمیص دونوں ہی سرخ رنگ میں رنگ لی ہیں اور ایک لال رنگ کا جھنڈا لے کر چھوٹے چھوٹے بچوں کو ساتھ لئے جلوس کی شکل میں گلیوں کے چکر لگاتا پھر رہا ہوں۔ نعرۂ تکبیر اللہ اکبر کے نعرے لگاتا ہوں، یہ بول ان دنوں ہر پیر و جوان مسلمان کی زبان پر تھے

"اٹھو اُٹھو مومنوں رخ کرو کشمیر کا

راج کر دیو تباہ ڈوگر بے پیر کا"

میرے باپ نے بھی جموں بھیجنے کے لئے اپنے محلے کے جوانوں کا قافلہ تیار کیا ہے۔ اس قافلہ کے سرفروشوں کو بڑی پُر تکلف دعوت دی گئی ہے۔ ان کی گردنوں میں پھولوں کے ہار ڈالے گئے ہیں۔ بڑے اہتمام سے تصویر اتاری گئی اور نعروں کی گونج میں قافلہ محلے کی گلیوں میں کافی دیر چکر لگاتا رہا۔ پھر پولیس کے آنے پر وہ اپنے محلے کے اسکول میں چلے گئے ہیں جہاں ان

کے کھانے کا انتظام کیا گیا ہے اور کھانے کے بعد تصویر ہو گی ۔ اس کے بعد قافلہ عازم جموں ہو گا

ادھر پولیس نے اسکول کے بڑے دروازے کے سامنے ڈیرے ڈال دیئے ہیں کہ جیسے ہی وہ لوگ باہر نکلیں ان کو یہیں گرفتار کر لیا جائے تاکہ بہتر کارکردگی کا ریکارڈ بنے ۔ میں لال رنگ کے کپڑے پہنے سرخ جھنڈا لئے بار بار اسکول کے گیٹ سے نکلتا اور اندر آتا ہوں بڑے تھانیدار نے مجھے بلا کر پوچھا "یہ قافلے والے اندر کیا کر رہے ہیں ؟ "

میں جواب دیتا ہوں کہ "وہ کھانا کھا کر آرام کر رہے ہیں "

تھانیدار نے مجھے تھپکی دی اور ایک روپیہ میری مٹھی میں دیا اور کہا "جاؤ پتہ کر کے آؤ قافلہ کب روانہ ہو گا ۔ کسی اور کو نہ بتانا "

میں نے سعادتمندی سے سر ہلایا اور اندر جا کر اپنے باپ کو وہ روپیہ دکھایا اور کہا تھانیدار قافلے کی روانگی کا وقت پوچھ رہا ہے ۔ میرے باپ نے مجھے سمجھایا پھر میں باہر گیٹ پر آ کر تھانیدار کو بتانے لگا کہ "ابھی تو وہ کھانا کھا کر آرام کر رہے ہیں ۔ چار بجے تصویر ہو گی ، پھر کہیں پانچ چھ بجے قافلہ تیار ہو کر نکلے گا "

اسی دوران جلد جلد قافلے کو تیار کیا اور اسکول کے پیچھے والی دیوار پھاند کر قافلہ والے کھیتوں میں سے ہوتے ہوئے جموں کی طرف روانہ ہو گئے میں چھوٹا لڑکا تھانیدار کو پل پل کی خبر آ کر دے رہا ہوں کہ "اب قافلے والے تیار ہو رہے ہیں ۔ اب تصویر کے لئے جا رہے ہیں اب تصویر کھینچی جا رہی ہے ۔ اب فلاں تقریر کر رہا ہے اب یہ ہو رہا ہے اور اب وہ ہو رہا ہے " قافلہ روانہ ہوئے دو گھنٹے ہو چکے ہیں ۔ اب تھانیدار صاحب کو احساس ہوا ہے کہ ایک بچے نے ہمیں بے وقوف بنایا ہے ۔ وہ بہت بگڑ رہا ہے میں وہ روپیہ اس کے منہ پہ مار کر بھاگ کھڑا ہوا ہوں ۔

صبح ہوتے ہی قافلہ گوجرانوالہ کی سرحد عبور کر کے سیالکوٹ کی حدود میں داخل ہو چکا تھا ۔

(منقول از "میری دنیا" پنجاب رنگ پبلی کیشنز ۔ کراچی ، ص ۲۴ - ۲۵ "

بقیہ از ص ۲

امید کرتا ہوں کہ میاں صاحب اپنی بزرگی کا خود تحفظ فرمائیں گے اور آئندہ ایسے غیر ذمہ دارانہ بیانات سے گریز و پرہیز فرمائیں گے کیونکہ بڑھاپے کی بدپرہیزیاں بہت نقصان دیتی ہیں ۔

شیخ حبیب الرحمان بٹالوی

بیادِ شورش کاشمیری مرحوم

افسوس! کہ از قبیلۂ مجنوں کسے نماند!

ایوب خان کا دور تھا۔ مال روڈ لاہور کے بی این آر سنٹر میں حضرت زینب بنت زہرا رضی اللہ عنہا کو خراجِ تحسین پیش کرنے کے لئے جناب مظفر علی شمسی نے مختلف مکاتبِ فکر کے علماء کو دعوت دی۔ ان میں جناب سید امیر الدین قدوائی۔ جناب کوثر نیازی۔ جناب مسلم بی اے کے علاوہ آغا شورش کاشمیری بھی مدعو تھے۔ صدارت اس دور کے وزیرِ قانون کی تھی۔ آغا صاحب سٹیج پر تشریف لائے۔ اور یوں تقریر کا آغاز کیا:

"مصر کے بازار میں حضرت یوسفؑ کی خریداری کا چرچا تھا۔ بڑے بڑے امیر اور رئیس مال و زر و جواہر کے ساتھ براجمان تھے کہ یوسفؑ کو خریدیں گے۔ دیکھنے والوں نے دیکھا۔ کہ ان امراء کے درمیان بوسیدہ کپڑوں میں ملبوس ایک بڑھیا بیٹھی ہے۔ اور اس کا کل سرمایہ جَو کے چند دانے ہیں جن کے عوض وہ بھی یوسفؑ کی خریداری کا دعویٰ کر رہی ہے۔ ایک شخص نے بڑھیا سے سوال کیا "مائی! جہاں اتنے بڑے بڑے امیر کبیر ہیرے جواہرات لیکر آئے ہوئے ہیں۔ تو اُن کے مقابلے میں جَو کے چند دانوں کے عوض یوسفؑ کو کیسے خرید سکے گی؟" بوڑھی خاتون نے جواب دیا۔ "بیٹا! مجھے بھی معلوم ہے کہ میں جَو کے چند دانوں کے بدلے یوسفؑ کو نہیں خرید سکتی۔ میں صرف یوسفؑ کے خریداروں میں اپنا نام لکھوانے آئی ہوں۔" بعینہٖ حضرت زینب بنتِ زہراؓ کی تعریف تو مسلم بی اے۔ کوثر نیازی۔ امیر الدین قدوائی اور مظفر علی شمسی بیان کریں گے۔ میں تو اُن کے مدح خوانوں میں اپنا نام لکھوانے آیا ہوں۔

یہ کہہ کر آغا صاحب نے حضرت زینب بنت زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے خصائلِ حمیدہ اپنے مخصوص انداز اور سپے تلے الفاظ میں بیان کرنا شروع کئے۔ چلتے چلتے نگاہِ عقاب صدرِ جلسہ پر جا پڑی۔ آغا صاحب بے اختیار ہنس دیئے۔ سامعین بھی ہنسنے لگے۔ پریس ایکٹ نیا نیا نافذ ہوا تھا۔ آغا صاحب گویا ہوئے:

دراصل جب میں گھر سے چلا تھا۔ تو میرے ذہن میں خیالات کا ایک سمندر موجیں مار رہا تھا۔ کہ جلسہ میں سرکار کے آدمی بھی آ رہے ہیں۔ میرا پرچہ تو شاید حکام والا تبار تک نہ پہنچتا ہو۔ جلسے میں جو بات

کہوں گا۔ گورنر ہاؤس پہنچ ہی جائے گی۔ مگر کیا کیا جائے ۔ یہ پابندیاں ۔ زباں بندیاں اور نہ جانے کون کون سی ایسی زنجیریں ہیں کہ سلسلہ ختم ہونے میں نہیں آتا۔ پھر تھوڑے سے وقفے کے بعد فرمایا ...... " مگر سب سے بڑا جہاد کسی جابر اور ظالم حکمران کے سامنے کلمۂ حق کہنا ہے "

یہ فقرہ کہہ کر آغا صاحب جو شروع ہوئے بس وہ دیکھنے اور سننے کی چیز تھی۔ تقریر کا لب لباب آغا صاحب کی اس رباعی میں موجود ہے ؎

" ہم قلم احباب شورش مضطرب ہوتے ہیں کیوں
ماضیٔ مرحوم میں بھی یہ ستم ہوتے رہے
راست گفتاری پہ شاعر کی زبان کٹتی رہی
ہاتھ سچی بات لکھنے پر قلم ہوتے رہے "

آغا صاحب تقریر ختم کرنے کے بعد سامنے والے صوفے پر بیٹھ گئے۔ آخری خطاب جنابِ صدر کا تھا۔ ڈائس پر تشریف لائے اور اپنے سیکرٹری کی تحریر کی ہوئی تقریر پڑھنے سے پہلے یوں گویا ہوئے :

" پیشتر اس کے کہ میں موضوع پر اپنی معروضات پیش کر دوں ۔ آغا صاحب سے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ آغا صاحب ! پریس ایکٹ ہر ایک کے لئے نہیں ہے۔ پریس ایکٹ اُن کے لئے ہے۔ جو ملک میں انتشار کی باتیں کرتے ہیں۔ آپ تو بہت اچھا لکھنے والے ہیں میں آپ کا پرچہ باقاعدہ پڑھتا ہوں اور پسند کرتا ہوں۔ آپ پر کوئی قدغن نہیں ہے "

جلسہ آخر ہوا۔ آغا صاحب بی این آر سنٹر کی سیڑھیاں اُترنے کے بعد نیچے پیٹرول پمپ پر کھڑے کسی کا انتظار کر رہے تھے۔ کہ کسی نے کہا :

" آغا صاحب ! وزیر قانون آپ پر بہت گرم ہیں "

آغا صاحب نے ٹھیٹھ پنجابی میں جواب دیا :

" کی کرے گا۔ رسالہ بند کر دے گا۔ پریس سیل کر دیگا۔ اسی پاناں سگٹاں دی دکان کھول لاں گے "

جہاں اپوا ثقافت ہو وہاں حیوان تو ہوگا

جہانِ نسواں

محترمہ ایس ایس بخاری

مین گیٹ کو کھلا چھوڑ کر باقی دروازے مقفل کر کے یہ یقین کر لینا کہ چور نہیں آئے گا ایک احمقانہ حرکت ہے

۱۰ ستمبر ۲۰۰۰ء روزنامہ نوائے وقت میں محترمہ بشریٰ رحمٰن کا کالم "نازک آبگینے" نظروں سے گزرا۔ اسے پڑھا بلکہ بار بار پڑھا۔ ایسا محسوس ہوا موجودہ معاشرے میں عورت کے گرتے ہوئے مقام اس کی بے حرمتی اور عدم تحفظ پر تشویش اور کرب و اذیت میں مبتلا مجھ سمیت بہت سے بیقرار دلوں کی صدا وہ نوکِ قلم تک لے آئیں جو کچھ ہم سوچ رہے تھے وہ انہوں نے کہہ ڈالا۔ مرد کی روبہ زوال غیرت، حمیت اور انسانیت معاشرے پر طاری بے حسی، اور اس صورتحال پر اونچے ایوانوں میں آنکھیں بند کر کے بیٹھنے والے اربابِ اختیار کو جس انداز سے انہوں نے جھنجھوڑا ہے وہ یقیناً لائقِ تحسین اور قابلِ ستائش ہے۔ اطمینان کی ایک لہر پورے وجود میں سرایت کر گئی۔ شکر ہے کہ ابھی ظلم کے خلاف آوازِ حق بلند کرنے والے موجود ہیں۔ خواہ تعداد میں ایک فی صد ہی سہی — اور اب جس بات نے مجھے قلم کا سہارا لینے پر مجبور کیا ہے وہ یہ ہے کہ نجانے کیوں یہ کالم مکمل ہونے کے باوجود بھی ادھورا محسوس ہو رہا ہے کچھ تشنگی ابھی باقی ہے میرے اندر سے اٹھنے والی ایک آواز مجھے اس کو مکمل کرنے پر مجبور کر رہی ہے۔ عورت کی مظلومیت بیان کرتے ہوئے بشریٰ صاحبہ لکھتی ہیں۔ "جو مظلوم و معصوم عورت کو تشدد کا نشانہ بناتے ہیں وہ بھی مرد ہیں جو تھانوں میں ان کے ساتھ غیر انسانی سلوک کرتے ہیں وہ بھی مرد کہلواتے ہیں اور جو انکی چیخ و پکار سن کر کان اور آنکھیں بند کر لیتے ہیں وہ بھی مرد ہوتے ہیں اور جن سے وہ انصاف طلب کرنے جاتی ہے وہ بھی اللہ رکھے مردوں میں سے ہی ہوتے ہیں"۔ پھر کالم نگار صاحبہ سراپا احتجاج بن کر پوچھتی ہیں".... کہاں گئے وہ مرد جو ایک مظلوم عورت کی آبرو بچانے کی خاطر اپنی جان پر کھیل جایا کرتے تھے کیا اب یہ باتیں صرف قصے کہانیوں میں ملا کریں گی؟" بلاشبہ ایسا ہی ہے۔ مرد عورت کے ساتھ حسنِ سلوک کی بجائے اپنی تمام تر درندگی اور سفاکی پر اتر آیا ہے واقعی اسے نہ دوستی کا قرینہ آتا ہے اور نہ دشمنی کی ادا یاد ہے، جنسی بے راہ روی اور انتقامی جذبوں سے مغلوب ہو کر وہ یہ بھی بھول جاتا ہے کہ وہ بھی کسی کا بھائی، کسی کا بیٹا، اور کسی کا شوہر ہے۔ اس کے گھر میں بھی بیٹی جیسی کوئی چیز ہے — عموماً اسکی ہوس اور انتقام کا نشانہ تیسرے درجہ کا معصوم بچہ اور سادہ لوح عورت ہی بنتی ہے — ان سب باتوں کے باوجود محترمہ عرض یہ ہے کہ قصے کہانیوں میں صرف یہی نہیں، اور بھی بہت کچھ ملے گا کیا میں ایک عورت ہونے اور اسی صنف سے تعلق رکھنے کے باوجود

یہ سوال کرسکتی ہوں کہ کہاں گئی وہ عورت جو اپنی عزت و آبرو کی خاطر جان کی بازی لگا دیا کرتی تھی؟ کہاں گئیں وہ عفت و عصمت کی دیویاں جن کے چہرے تو کجا کبھی سر کے ایک بال پر بھی غیر محرم کی نظر نہیں پڑی تھی؟ جو کبھی باپ اور بھائی کے سامنے آنکھ اٹھا کر بات تک نہیں کرتی تھیں جن کے پاؤں نے کبھی دہلیز پار نہیں کی جن کی آنکھیں شرم کے بوجھ سے مخمور اور جن کے چہروں پر حیا کی لالی جھلکتی تھی کسی کالج، یونیورسٹی سے ڈگری حاصل نہ کرنے کے باوجود جن کی گودیں تہذیب و تمدن کا گہوارہ تھیں، کہاں گئی وہ آغوش جس میں فارابیؒ و غزالیؒ، رومیؒ و رازیؒ شاہ ولی اللہؒ اور مجدد الف ثانیؒ نے پرورش پائی اور تاریخ انسانی پر انمٹ نقوش چھوڑے جنہیں عورت نے حیاتِ جاودانی بخشی، مگر آج معاشرہ ایسے انسانوں سے تہی دامن ہے۔ آپکو ایک نہیں ہزاروں راجہ داہر دندناتے نظر آئیں گے لیکن کیا کوئی محمد بن قاسم اور حجاج بن یوسف ہے جو انکے ظلم و ستم کی بھینٹ چڑھنے والوں کی پکار پر لبیک کہے اور انکے زنداں میں قید اسیروں کو رہائی کی نوید سنائے؟ آخر ایسا کیوں نہیں؟ اسکی وجہ کیا ہے؟ یہی نا کہ وہ گودیں ویران ہو چکی ہیں وہ کوکھیں اُجڑ چکی ہیں اور اس دھرتی پر وہ مائیں نہیں ہیں جنہوں نے ایسے بہادر اور عظیم سپوتوں کو جنم دیا — اپنے کالم میں دوسری جگہ وہ ہادیٔ برحق کے ایک سفر کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتی ہیں:

"کہ ایک بار آپؐ سفر میں تھے۔ ہمراہ ازواج مطہرات بھی تھیں اور حدی خوان ایک سیاہ فام (صحابی) انجشہؓ تھے انکی خصوصیت یہ تھی کہ جب وہ حُدی پڑھتے تو اُونٹوں کی رفتار حیرت انگیز حد تک تیز ہو جاتی۔ دورانِ سفر جب انجشہؓ نے حُدی پڑھنی شروع کی تو خیر البشرؐ نے فرمایا۔ دیکھنا ان میں نازک آبگینے (شیشے) ہیں آہستہ چلو گویا انسان کامل، انسانِ اعظم نے مستند فرما دیا کہ عورت نازک آبگینے کی مانند ہوتی ہے مرد کا فرض ہے کہ اسے ذہنی و جسمانی کوفت سے محفوظ رکھے۔"

یہ واقعہ حدیث کی کتب سے ثابت ہے مگر یوں کہ آپ نے فرمایا۔ رُوَیْدَكَ یا انجشہ لاتکسر القواریر (ٹھہر جا اے انجشہ نہ توڑ آبگینوں کو!) یہاں "قواریر" سے مراد عورتیں ہیں۔ علماء نے لکھا ہے کہ اس ارشادِ رسولؐ کی ایک وجہ تو یہی تھی کہ عورتیں کمزور دل ہونے کے باعث اونٹوں کی تیز رفتاری سے خوفزدہ نہ ہوں لیکن دوسری جو اصل وجہ تھی وہ یہ کہ انجشہ بہت خوبصورت آواز کے مالک تھے پھر عورتوں کی موجودگی میں جب انہوں نے حُدی پڑھنا شروع کی، تو اس سے فتنے کا بھی احتمال تھا (کہ دلوں کی دھڑکنیں تیز ہو جاتیں) .... یہ تو ہے معلمِ انسانیت کی تعلیمات کا ایک نمونہ۔ سوال یہ ہے کہ جس اسلام کے نام پر مردوں کی غیرت جگائی جا رہی ہے اس کے مسلمات کے خلاف بدزبانی، ہلڑ بازی اور احتجاج کون کرتا ہے؟ بات جب حدود و قوانین کی چلتی ہے چادر اور چار دیواری کا مسئلہ آتا ہے تو جنہیں اسلام کی تعلیمات ہیچ نظر آتی ہیں، اسکے خلاف سڑکوں پر مظاہرے شروع ہو جاتے ہیں، جلوس نکالے جاتے ہیں۔ نعرے لگائے جاتے ہیں، دیت و قصاص کے خدائی قانون کے خلاف زہر کون اُگلتا ہے؟ شرعی عدالتوں کی مخالفت کون کرتا ہے؟ ویمن ایکشن فورم کی قیادت کون سنبھالتا ہے؟ اور قوم کے منتخب نمائندوں کے ایوانوں میں اسلامی اقدار

شعائر اور علماء پر طعن کون تو ڑتا ہے ؟ مگر حیرت یہ ہے کہ جب مسئلہ اپنی عزت و آبرو کا آتا ہے تو پھر اسلام اور ہادی اسلام کی تعلیمات کو بطور نمونہ پیش کیا جاتا ہے پھر ہم اسی مذہب کی آغوش میں پناہ لینے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ جسے کل تک تضحیک کا نشانہ بناتے رہے تو گویا آپکا تقاضا ایک ایسا نام نہاد مذہب ہے کہ جو آپکو بوقت ضرورت پناہ بھی دے اور کھل کھیلنے کی اجازت بھی! تو پھر مردوں پر پابندی کیسی ؟ جب آپکے نزدیک مغرب کی عطا کردہ پسند و ناپسند اور اسکی تہذیب ہی قابلِ قبول اور قابلِ عمل ہیں تو پھر یہ رونا کیا ؟ معاشرے میں جو کچھ ہو رہا ہے پھر اس پر واویلا کیوں ؟ کہ آپکا پسندیدہ مغربی نظامِ زندگی اور تہذیب صرف یہی نہیں اور بھی بہت کچھ عنایت کرتا ہے ..... ! محسنِ انسانیت کے دیئے ہوئے نظامِ حیات میں تو عورت گھر کی مالکہ اور راعیۃ ہے اولاد کی شفیق سرپرست اور شوہر کی وفادار ساتھی ، بہترین متاع ہے ، ریاست کا ستون ہے ، اسکی گود تہذیب و تمدن کا اولین گہوارہ ہے۔ اپنی ذمہ داریوں سے احسن طریقے سے عہدہ برآ ہونے کی صورت میں وہ نہایت اعلیٰ وارفع مقام کی حقدار ہے۔

مگر آپ کے مغرب نے تو عورت کو صرف اور صرف ملازمہ اور خادمہ بنایا ہے۔ غلامی کی شکل بدلی ہے اور آپکے اُنو بنایا ہے۔ کیا یہ حقیقت نہیں کہ مغرب میں جب مرد کی ہوسناک طبیعت نے عورت سے ناجائز طور پر لطف اندوز ہونا چاہا اپنی قانونی بیوی کی کفالت اُسے بوجھ محسوس ہونے لگی تو اس نے ان دونوں مشکلوں کا ایک عیارانہ حل نکالا۔ وہ حل یہ تھا کہ عورت کو چار دیواری سے باہر لے آیا۔ اُسے تحریکِ آزادیِ نسواں کی قیادت سونپ کے دلفریب نعروں میں اُلجھایا اور آزادی کا خوبصورت خواب دکھایا تو وہ بُری طرح اُسکے سحر میں گرفتار ہو گئی اور گھر سے باہر نکلنے کا نتیجہ اُسے فوراً مل گیا۔ اسے تجارت چمکانے کیلئے "سیلز گرل" اور "ماڈل گرل" بنا کر فحاشی کا چلتا پھرتا اشتہار بنا دیا گیا ، نامحرم مردوں کی سیکرٹری اور کلرکی کے اعزازات بخشے گئے ایک مرد کی رفاقت و خدمت کی جگہ ہزاروں مردوں کی ناز برداری کیلئے "ایئر ہوسٹس" منتخب کیا گیا۔ مغربی معاشرے میں نچلے درجے کے تمام کام عورت کے سپرد ہیں۔ ریستورانوں میں ویٹرس ، ہوٹلوں کی صفائی ، روم اسٹنڈنٹ دکانوں پر سامان بیچنے والی ، دفتروں میں استقبالیہ کے لئے ، بغرض بیرے سے لیکر کلرکی تک کے تمام کام عورت ہی انجام دیتی ہے۔

بی اے کر کے اب رشیدہ ڈھونڈتی ہے نوکری
لینے کے دینے پڑ گئے اس گھر کی ویرانی بھی دیکھ

جو عورت گھر میں ماں ، باپ ، بہن بھائی ، شوہر اور بچوں کے کام کاج کو ذلت کا باعث سمجھتی تھی آج اُسے وہی کام گھر سے باہر کرنے پڑتے ہیں ـــــ اس طرح مغرب میں آزادیِ نسواں کے نتائج بہت جلد ظاہر ہو رہے ہیں مسٹر کینن یورپ کا معاشرہ تباہی کے آخری دہانے پر کھڑا ہے۔ وہاں کے اہلِ دانش اور باشعور افراد اس تباہ کن صورتحال پر پریشان ہیں کہ یہ سلسلہ کہاں جا کر رکے گا ؟ حیرت اور افسوس کا مقام تو یہ ہے کہ مغرب جس روش پر چل کر بے حجابی ، بے حیائی اور اخلاقی انحطاط کا شکار

ہوا اور جس چیز سے وہ پریشان ہے وہ سب کچھ ہمارے ہاں ایک فیشن کے طور پر اپنایا جا رہا ہے۔

اس دور میں عورت اگر مظلوم ہے تو میرے خیال میں ظالم بھی وہ خود ہی ہے۔ اپنے پاؤں پہ کلہاڑی مارنے والے اور اپنے راستے میں کانٹے بونے والے کو کون مظلوم کہتا ہے؟ اپنے عزت و وقار کو مجروح کرنے، اپنی بیحرمتی اور مقام کو کھونے میں اس کا اپنا ہاتھ ہے جب وہ اپنی چکاچوند اور جلوہ سامانیوں کے ساتھ باہر آئی ہے تو اس کا نتیجہ لازمی ہے مین گیٹ کو کھلا چھوڑ کر باقی دروازے مقفل کر کے یہ یقین کر لینا کہ چور نہیں آئیگا ایک احمقانہ حرکت ہے۔ دُکان میں کھلونے اور شوکیس میں سجی رنگ برنگی گڑیاں دیکھ کر بچے کا مچل جانا لازمی امر ہے ایسے میں وہ آپکی ڈانٹ ڈپٹ سے خاموش تو ہو جائیگا لیکن یہ قطعی ناممکن ہے کہ وہ چپکے چپکے پیچھے مڑ کر انکی طرف للچائی نظروں سے نہ دیکھے۔ آپکو بازاروں، سڑکوں، کلبوں، پارکوں، ہوٹلوں اور ریستورانوں میں جابجا تمام تقاضوں اور اخلاقی قدروں سے عاری اپنی مشرقیت پہ اتراتی فخر کرتی جو عجیب سی مخلوق نظر آتی ہے۔ وہ ہے آج کی عورت؟ جو شانے اُچکاتی، زلفیں لہراتی، کندھے سے کندھا ٹکراتی، اپنے سمارٹنیس شو کرتی، اپنے بوائے فرینڈ کے ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے پھلجھڑیاں چھوڑتی، بات بے بات قہقہے لگاتی اپنے مقام و منزل سے ناآشنا کسی منہ زور گھوڑے کی طرح سرپٹ بھاگی جا رہی ہے۔ یقیناً وہ ابھی تک پیش آنیوالی ذلت و رسوائی کی اتھاہ گہرائیوں سے بے خبر ہے۔

یہ کونسی مشرقیت کا تقاضا ہے جس کے تحت اپنی اور اپنے شوہر کی، بچوں کی مطلوبہ تعداد، ذرائع ابلاغ کے ذریعے ہر خاص و عام تک پہنچائی جاتی ہے؟ ترقی کے نام پہ بے حجابی اور بے حیائی کی اس دوڑ میں اندھا دھند بھاگتے ہوئے صرف تھوڑی دیر کیلئے رکیں اور تاریخ پہ نظر ڈالتے ہوئے ذرا اسکی کسی ایک درخشندہ باب کھولیں تو آپکو ایک سے ایک بڑھ کر روشن مثال نظر آئیگی۔ حضرت خنساءؓ کے اسم گرامی سے کون واقف نہیں بڑی دلیر اور بہادر خاتون تھیں۔ ایمان و ایقان جوش و جذبے اور عظمت کا یہ عالم کہ چاروں بیٹوں کو یکے بعد دیگرے میدانِ جنگ میں روانہ کیا اور چاروں ہی جامِ شہادت نوش کر کے ابدی زندگی سے سرفراز ہوئے۔ لیکن ذرا سنئے! بہادر ماں اپنے دلیر بیٹوں کو وقتِ رخصت کیا نصیحت کرتی ہیں فرماتی ہیں "پشت نہ دکھانا کہ میں نے کبھی تمہارے ماموؤں کو سرنگوں نہ ہونے دیا تھا اسلیئے میری فرزندی کا حق ادا کرنا"

صرف یہ ایک مثال ہی زندگیوں میں انقلاب لا سکتی ہے۔ روحوں کو تازگی اور دلوں کو نئے جذبے عطا کر سکتی ہے مگر جب سماعتوں، بصارتوں اور قلوب و اذہان پہ ضلالت و سرکشی کے پردے پڑ جائیں اور حیوانِ ناطق خدا و رسول کے ہر قانون اور ہر حکم کو اپنی عقل کے ترازو میں تولے تو پھر ایک کیا ایسی ہزاروں مثالیں بے سود ———— ایک وہ زمانہ تھا کہ

عورتیں مردوں کو سربلند کرتی تھیں اور ایک آج کہ دونوں کے لچھن ایک ہوئے جاتے ہیں۔ نہ یہ عورت نہ وہ مرد! ذرا ادھر دیکھیے تو جینز اور واہیات لباسوں میں ملبوس ہڈیوں کے ڈھانچے گردنوں میں زنجیریں اور ہاتھوں میں رنگ برنگے کڑے پہنے، بے رونق زرد چہرے، بصیرت سے محروم نیم وا آنکھیں، میوزک کی تیز دھنوں پر تھرکتے ناچتے وجود کہ ہم نے ان کا نام "مرد" رکھا ہے۔ یہی ہے نا تہذیب جدید کی دلدادہ آج کی عورت کا نئی نسل کی صورت میں اپنے معاشرے کو تحفہ؟ یہ ہیں مستقبل کے معمار؟ کیا آپ ان سے وطن کی حفاظت اور بقا کی اُمید رکھتے ہیں اور ان سے احترام نسوانیت کی بھیک مانگتے ہیں کہ جن کے آئیڈیئل ابن قاسم، ایوبی، اور غزنوی نہیں۔ بلکہ مائیکل جیکسن ایسے جانور ہیں کلچر، تہذیب اور ثقافت کے نام پر ذہنوں میں جو زہر منتقل کیا گیا اور کیا جا رہا ہے تو اس کے نتائج کو بھی قبول کریں! اب راہ فرار کیوں؟ موسیقی کے دیگر ٹی وی پروگراموں کے علاوہ میوزک ۸۹، ڈیتھ فیسٹیول، سٹوڈیو نمبر ا تو آپکی خواہش اور منشاء کے مطابق ہی آئے نا؟ اس روز اپنے اہل خانہ کے ہمراہ ٹی وی دیکھتے ہوئے آپکی آنکھوں میں بڑی عجیب سی چمک اور چہرے پر بشاشت کے آثار تھے کہ ایک عرصہ ہوا تھا بور اور دقیانوسی پروگرام دیکھتے ہوئے۔ اُس رات آپ بہت مدت بعد اطمینان کی نیند سوئے کہ شکر ہے ٹی وی کا قبلہ تو درست ہوا ــــ اسلام، دین، مذہب چادر، چار دیواری، شرم و حیا جیسی فرسودہ باتوں سے نجات تو ملی ــــ تو پھر شکایت کیسی اور کس سے؟ اخبارات و رسائل میں چھپنے والے اشتہار، تصاویر اور ٹی وی پر ثقافت کے نام پر جو کچھ پیش کیا جا رہا ہے ماڈلنگ کے نام پر عفت و عصمت کی جو دھجیاں اُڑائی جا رہی ہیں وہ میری اور آپکی نظروں سے اوجھل نہیں یہ اور بات کہ ہماری دینی حمیت و غیرت کا جنازہ نکل چکا ہے۔ اخبارات خبریں پڑھنے کیلئے کم فلمی اشتہاروں کی وجہ سے زیادہ خریدے جاتے ہیں تو پھر فرمائیے کہ انجمن، بابرہ، انیتا ایوب اور سلمیٰ آغا کا آپکے نزدیک کیا مقام ہے جن کے نام لینے سے ہی حلق میں کڑواہٹ اور فضا میں تعفن محسوس ہوتا ہے؟ یہ بھی آبگینے ہیں؟ میرے نزدیک تو یہ جسم فروشی اور حیا باختگی کے تمام ریکارڈ توڑنے پر کسی ایوارڈ کی تو واقعی مستحق ہیں مگر انکے لئے لفظ عورت کا استعمال نسوانیت کی توہین اور ذلت ہے۔ بات یہیں ختم نہیں ہو جاتی یہ دیکھئے مغرب کا مشرق کے منہ پر ایک اللہ بھر پور طمانچہ! میرے اور آپکے وطن، ایک اسلامی اور نظریاتی ملک کے ٹی وی کی فخریہ پیشکش کہ جن کے لئے نعیم عارفی نے لکھا ہے سنو بہن ہے عاشق اور بھیا معشوق ہے کیسی ندرت ہے اجی ہاں آپ سمجھ چکے ہونگے نا دیر اور زوہیب جنکی حیا سوز حرکات اور پوز دیکھ کر اہل خانہ کے ساتھ تو کجا ہم جیسے تنہا بیٹھے بھی پسینے میں شرابور ہو جائیں یہ ننگِ انسانیت مرد

اور عورتیں کہیں سے امپورٹ نہیں کئے گئے یہ ہماری جدیدیت کی پیداوار ہیں۔ کیا آپ اس تمام تر فحاشی اور بے غیرتی کا ذمہ دار صرف زوہیب کو ٹھہرائیں گے اور نازیہ کو صنفِ نازک کہکر چھوڑ دیں گے؟ کیا انہیں اس مادر پدر آزادی دینے میں صرف اُنکے باپ قصوروار مانیں گے یا انکی ماں کا حصہ بھی اسمیں شامل کریں گے؟ پھر اعداد و شمار جمع کر کے دیکھ لیں اُنکی اس فحاشی اور بدمعاشی کی حوصلہ افزائی کرنے والوں میں صرف مرد ہی ہیں یا عورتوں کی تعداد مردوں سے بھی زیادہ؟ بازاروں، ہوٹلوں، کلبوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں آپ بھی جاتے ہیں، پارٹی، فنکشن، مشاعرے مقابلے میں آپ کو مدعو کیا جاتا ہے کرکٹ اور ہاکی میچ بھی یقیناً آپ دیکھتے ہیں تو بتائیے کہ ان سب جگہوں پر ہوٹنگ اور ہلڑ بازی میں بے تکلف فقرے اُچھالنے، قہقہوں اور مسکراہٹوں کے تبادلے میں صرف لڑکے ہی ملوث ہوتے ہیں یا اگلی نشستوں پر براجمان معزز خواتین بھی؟ کسی بیٹسمین، کسی باؤلر اور کسی ہاکی پلیئر کو آٹوگراف دیتے وقت پیچھے سے اُس کے کندھے پر جو نازک سا ہاتھ نظر آ رہا ہے اور بالوں کی جو لٹ اسکی پیشانی کو چھو رہی ہے غور سے پہچانیے تو وہ کس کی ہے؟ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ اس سارے تجربے اور مشاہدے کے بعد بتائیں کہ معاشرے کی تباہی میں کون قصوروار ہے۔ صرف مرد، صرف عورت یا دونوں ہی؟

کل تک جسے دامن میں چھپاتی تھی شرافت
ہر بزم میں رقصاں وہ ادا دیکھ رہی ہوں
اے عیش پرستانِ چمن! وقت کے بندو!
میں وقت کی آنکھوں میں دغا دیکھ رہی ہوں

نرخ نامہ اشتہارات
نقیب ختم نبوت

ٹائیٹل کا آخری صفحہ سالم ۵۰۰/-- روپے
" " " (½) ۲۵۰/-- روپے
ٹائیٹل دوسرا اور تیسرا صفحہ ۳۰۰/-- روپے
" " (½) ۲۰۰/-- روپے
عام صفحہ (سالم) ۲۵۰/-- روپے
" " (½) ۱۰۰/-- روپے
" " (¼) ۵۰/-- روپے

مُستقل مُعاونین کے لئے
خصوصی رعایت ہوگی

زبان میری ہے بات اُنکی

خادم حسین شیخ

فضل حق نے جیل میں پانچ وقت کی نماز شروع کردی۔ (ایک خبر)

"دیا دُکھ بتوں نے تو خدا یاد آیا"

پولیس۔ عوام کے ساتھ جانوروں والا سلوک کرتی ہے۔ (ایک خبر)

"کیا "غریب عوام، غریب عوام" کی رَٹ لگانے والے اندھے ہیں؟"

بھٹو جلسوں میں ڈرامے کرتے تھے مگر اُنکی بیٹی کو ڈراموں میں کامیابی نہیں مل رہی (شہباز شریف)

"جس کا کام اُسی کو ساجھے۔ اور کرے تو ٹھینگا باجے

ہر حکومت اسلام کا نام لیتی ہے۔ اسلام عملاً طاق پر رکھا ہے۔ (صدر اسحٰق)

بات کہنے کی نہیں منہ سے نکل جاتی ہے
راہنما قافلے والوں سے دغا کرتے ہیں

چینی چودہ ۱۴ روپے کلو بک رہی ہے۔ (ایک خبر)

" آٹا مہنگا ہو یا تے کی ہویا　　لوکو! شور مچاؤن دا حق کوئی نئیں
تے میرے ملک دیچ کسے غریب نوں وی　　چینی چاہ وچ پاؤن دا حق کوئی نئیں"

کوئٹہ میں مولانا فضل الرحمٰن اور درخواستی گروپ کے کارکنوں میں تصادم (ایک خبر)

طوفان کی آغوش میں پہنچا کے سفینہ
ہر موج سبک دوش ہے معلوم نہیں کیوں

ہم پر فجر کی اذان تک تشدد ہوتا رہا۔ برہنہ کرکے ہاتھ اُوپر کرا کے تھانہ میں پھرایا گیا۔ میں پولیس کے خلاف انصاف مانگتی ہوں۔ (لاہور کی ایک مظلوم عورت بیانی)

"خدایا! یہ مظالم بے گھروں پر　　کوئی بجلی گرا فتنہ گروں پر!
یہ اہلِ جود۔ یہ ظالم لٹیرے　　مسلط جانے کب سے ہیں سروں پر"

ہم بے نظیر کو تنگ اس لیئے کررہے ہیں کہ وہ سارے ملک کو تنگ کر رہی ہیں۔ (اکبر بگٹی)

"کہ پریشان کرنے والوں کو پریشاں ہم نے دیکھا ہے"

پانچ چھ کے سوا تمام ارکانِ اسمبلی نا اہل اور بددیانت ہیں۔ (اصغر خان)

چرچل صاحب بھی مر گئے۔ قائد اعظم بھی اللہ کو پیارے ہو گئے
طبیعت ہماری بھی ٹھیک نہیں۔

وزیر اعظم بے نظیر کو فوج سے کوئی خطرہ نہیں۔ (امریکی سینیٹر کلیبول پیل)

موجودہ جمہوری حکومت کی حفاظت فوج کی ذمہ داری ہے (مرزا اسلم بیگ)

"جس کے ہاتھ ڈوئی۔ اُس کا ہر کوئی"

بوڑھی عورت کے جنازے پر نوٹوں اور بتاشوں کی بارش۔ (ایک خبر)

جب تک دنیا میں بے وقوف موجود ہیں۔ کوئی بھوکا نہیں مر سکتا۔

حکومتیں جوڑ توڑ میں مصروف ہیں۔ عوام کا کوئی کام نہیں ہو رہا۔ (پرویز صالح۔ پیپلز پارٹی)

حکومت نے مسائل حل کرنے کی بجائے وزیروں کی فوج بھرتی کر لی ہے (قاضی حسین احمد)

اصول بیچ کے مسند خرید نے والو — نگاہ اہلِ وفا میں بہت حقیر ہو تم
وطن کا پاس تمہیں تھا نہ ہو سکے گا کبھی — کہ اپنی حرص کے بندے ہو بے ضمیر ہو تم

بجلی کی قیمتوں میں اضافہ۔ پیپلز پارٹی کی حکومت نے نہیں کیا۔ (راؤ سکندر اقبال)
اور چینی؟

وزیر اعلیٰ پنجاب نواز شریف سے مرکزی وزیر افتخار گیلانی کی ملاقات (ایک خبر)
محبت کا چلن سیکھو خدارا
دلوں کے فاصلے یوں کم نہ ہوں گے

"اُدھر تم اِدھر ہم" کا نعرہ لگانے والے پاکستان کے ٹھیکیدار بن گئے ہیں (اجمل خٹک)

"کہ ہر ذلیل یہاں کامیاب ہے ساقی!"

پھر پیپلز پارٹی کی ضرورت ہے۔ (ایک بیان)

اے دوست ہم نے ترکِ محبت کے باوجود — محسوس کی ہے تیری ضرورت کبھی کبھی

الیکشن ہارنے والے خوش قسمت۔ ایک گورنر ایک مشیر باقی ایڈمنسٹریٹر (نوابزادہ نصر اللہ)

" نائیوں کی جرات میں سبھی دابے "

امتحانی مراکز کے نگران بھی نقل کے گھناؤنے کاروبار میں ملوث ہوتے ہیں (وفاقی وزیر تعلیم)

ویسے آپس کی بات ہے آپ بھی تو بوٹیاں لگا کر یہاں تک پہنچے ہیں۔

لوڈ شیڈنگ پسند نہیں تو بجلی کی قیمتوں میں اضافہ پسند کریں (وفاقی وزیر)

" غریب عوام کی ہمدرد پارٹی کے وزیر کا بیانِ ہمدردی "

رحم کی اپیل کیوں کروں۔ پاکستان یا بیرون ملک کوئی جرم نہیں کیا (مرتضیٰ بھٹو)

" تم میں وہ پہلی سی صباحت نہیں باقی　　پہلے کی طرح چاند بھی تابندہ کہاں ہے!

اس دیس میں لگتی نہیں دھوں کی عدالت　　اس دور میں مجرم کوئی شرمندہ کہاں ہے "

پولیس نے فوراً کام نہ کرنے پر کانی میکر کی پسلی توڑ دی (ایک خبر)

آئی جی صاحب! دھیان کریں اور اس دن سے ڈریں جس دن دوزخ کا کوتوال

ہر زیادتی کرنے والے کی پسلی توڑ دیگا "

پیپلز پارٹی نے نو ماہ میں صرف اپنے راز۔ بھارت کے حوالے کرنے کا تیر مارا ہے (ایک بیان)

خود اپنے ہاتھوں سے باغبانوں نے لالہ وگل کو بیچ ڈالا

بظاہر آنکھیں کھلی ہوئی ہیں مگر کوئی دیکھتا نہیں ہے

وزیر اعظم نے ہمیں دھوکہ دیا ہے۔ (نسیم ولی خان)

پیپلز پارٹی جھوٹ بولتی ہے (بگٹی۔ وزیر اعلیٰ بلوچستان)

وزیر اعظم جھوٹی ہیں (نواز شریف۔ وزیر اعلیٰ پنجاب)

ٹی وی کو جھوٹ کا ہتھیار بنا دیا گیا ہے۔ (شجاعت حسین)

وزیر اعظم کے قول و فعل میں تضاد ہے (نواز شریف)

" فا۔ سائیں! فا۔۔۔ بات کرتے ہیں اہلِ دنیا کی آپ کا تو گلہ نہیں کرتے "

بے نظیر نے سازشیں جاری رکھیں۔ تو ان کا حشر بھی باپ جیسا ہوگا۔ (ولی خان)

" باکمال لوگ۔ لاجواب پرواز "

ہر سال بجلی کے سات لاکھ کنکشن رشوت دے کر لگتے ہیں

(فاروق لغاری وزیر بجلی پانی)

کیا کہہ رہے ہو بھائی رشوت کے بغیر بھی لگتے ہیں؟

اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ کون قادیانی اور کون مسلمان ہے (وفاقی وزیر مملکت ڈاکٹر شیر افگن)

ے یہ مسلماں ہیں جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود

مختار اعوان گرفتاری پیش کرتے وقت جنرل فضل حق کی طرح روئے گا نہیں۔ (سید فیصل صالح حیات)

وہ کیوں روئیں۔ روئیں گے اُن کے "پچھلے"! فی الحال تو وہ نپولن دیوی کی طرح چھپتے پھر رہے ہیں۔

ضروری نہیں کہ میں ہر نابالغ سے ملوں (اکبر بگٹی۔ افتخار گیلانی سے ملاقات کے سوال پر تبصرہ)

....."صرف بالغوں کے لئے".....

نوشتۂ دیوار

(خاموش مبلغ ملتان)

ے منتظر ہے یہ جہاں آئینِ پیمبر کا آج
ورنہ سب بیکار ہے جمہو ہو یا تخت و تاج

مسلمان —————

شریعت کی بالادستی چاہتے ہیں

نہ جمہوریت نہ آمریت!

اِسلام میں جمہوریت نام کی کوئی خباثت نہیں!

شرعی سزاؤں کا نفاذ

قتل و غارت، نشہ بازی، اغوا و آبرو ریزی اور فواحشات کا

فوری، اور قدرتی علاج ہے

پردہ اُٹھنے کی منتظر ہے نگاہ

مرزا بشیر الدین محمود کی ہولناک بدمعاشیاں

بشیر احمد مصری

کبھی خیال آتا اس مذہبی دھوکہ باز کو قتل کر دوں لیکن ـــــ

الحافظ بشیر احمد مصری ۱۹۱۴ء میں ہندوستان کے قصبہ قادیان میں پیدا ہوئے جہاں انہوں نے گورنمنٹ کالج لاہور سے عربی میں بی اے آنرز میں ڈگری لی۔ آپ جامعہ الازہر کے شعبہ عربی کے فارغ التحصیل ہیں اور لندن سے صحافت (JOURNALISM) میں بھی سند یافتہ ہیں۔ آپ کی زندگی کے بیس برس مشرقی افریقہ میں بسر ہوئے جہاں وہ ہائی سکول کے ہیڈ ماسٹر کے علاوہ بہت سی انجمنوں اور سماجی اداروں کے ذمہ دارانہ عہدوں پر کام کرتے رہے۔ ۱۹۶۱ء میں آپ نے انگلینڈ ہجرت کر لی۔ ۱۹۶۴ء سے ۱۹۶۸ء تک پانچ برس آپ ماہنامہ "اسلامک ریویو" کے ایڈیٹر رہے اور اس دوران آپ ووکنگ مسجد کی تاریخ میں پہلے سنی تھے جو امام مقرر ہوئے۔

الحافظ مصری صاحب برطانیہ میں ایک امتیازی حیثیت رکھتے ہیں۔ آپ کے خطاب ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر تقاریر و مکالمات اور مختلف جرائد میں مضامین نے اس ملک میں انہیں ایک ادیبانہ اور فاضلانہ مقام دے دیا۔ امید ہے کہ قادیانیت پر اس مضمون میں الحافظ مصری نے اپنے ذاتی مشاہدات پر مبنی جن خیالات کا اظہار کیا ہے، وہ سب مسلمانوں کی آنکھیں کھول دے گا۔ خصوصاً ان سیدھے سادھے مسلمان نوجوانوں کے لئے ان کے بیانات سبق آموز ہوں گے جو قادیانیت جیسے مذہبی دھوکہ بازوں کے دام فریب میں پھنس سکتے ہیں یا ان کی "مظلومیت" سے متاثر ہیں...... ادارہ

میرے بہت سے دوستوں نے متعدد مرتبہ مطالبہ کیا ہے کہ میں قادیانیت پر مبنی اپنے مشاہدات اور خیالات قلم بند کروں تاکہ میری زندگی میں ہی وہ ضبط تحریر میں آجائیں ۔ اس مختصر مضمون میں یہ ممکن نہیں کہ تفصیلات میں جایا جائے اس لئے میں اختصار کے ساتھ صرف ان حالات کا خلاصہ درج کر رہا ہوں جن کی بناء پر میں نے قادیانیت کی بے راہ رو اور منافقانہ جماعت سے توبہ کی۔

۱۹۱۴ء میں سوء اتفاق سے قادیان میں پیدا ہوا۔ میری پیدائش کی جائے وقوع کا حادثہ میری ۷۴ سالہ زندگی میں کلنک کا ٹیکہ بنا رہا۔ بچپن میں مجھے یہ ذہن نشین کرایا گیا کہ "احمدیوں" کے علاوہ دنیا بھر کے سب مسلمان کافر ہیں۔ یہ درس و تدریس اس انتہا تک تھا کہ خدا کی ذات پر ایمان بھی نہیں ہو سکتا جب تک کہ "احمدیت" کے بانی مرزا غلام احمد کی نبوت پر ایمان نہ ہو۔ نیز یہ کہ اس کے جانشین ہی اب بندے اور خدا کے درمیان وسیلہ ہیں۔

لیکن اس کے برعکس جب میں نے سن بلوغت

میں قدم رکھا تو اپنے ارد گرد قادیانیوں کی اکثریت کو بدکردار، عیار اور مکار پایا۔ اس میں شک نہیں کہ ان لوگوں میں چند ایسے لوگ بھی تھے جو اس سلسلہ کے ابتدائی ایام میں اخلاص کے ساتھ اس جماعت میں شامل ہوئے تھے اور اس دھوکے کا شکار ہو گئے تھے کہ یہ تحریک اسلام میں ایک تجدیدی تحریک ہے لیکن اس قسم کے مخلصین کی تعداد بہت کم دیکھنے میں آئی ۔ اور پھر جن کو نیک و مخلص پایا ان میں بھی اکثر یا تو اتنے سادہ لوح تھے کہ اپنے گردو نواح کے مذموم ماحول پر ناقدانہ نظر ڈالنے کی صلاحیت ہی نہ تھی اور یا پھر اپنے حالات کی مجبوریوں میں اتنے لاچار تھے کہ کچھ کر نہ پاتے تھے۔

نوعمری کے زمانہ میں اس قابل تو نہ تھا کہ ذہنی اعتبار سے اس بات کی اہمیت کو سمجھ سکتا کہ تحریک قادیانیت نے کس طرح اسلام کے مذہبی عقائد میں فتور ڈالنا شروع کر دیا ہے، البتہ ان لوگوں کے خلاف میرا ابتدائی رد عمل بد اخلاقی اور جنسی بدکاریوں کی وجہ سے تھا۔ میری ذہنی اور روحانی نابالغی کی اس غیر پختگی کی حالت میں ہی قادر تقدیر نے مجھے طاغوتی آگ کی بھٹی میں پھینک کر میری آزمائش کی۔

میں ایک ۱۸ برس کا صحیح الجسم اور کسرتی نوجوان تھا جبکہ مجھے خلیفہ قادیان کا پیغام ملا کہ وہ کسی نجی کام کے سلسلہ میں بلاتے ہیں۔ یہ وہ دور تھا جب کہ میں اس شخص کو نیم دیوتا سمجھا کرتا تھا اور اس جذبہ کے تحت میں نے اس پیغام کو باعث عزت و فخر کے طور پر لیا۔ مجھے گمان ہوا کہ "حضور" میرے ذمہ کوئی ایسا مذہبی کام لگانا چاہتے ہیں جو رازدارانہ قسم کا ہو گا۔

ہماری پہلی ملاقات باضابطہ اور مقررہ اسلوب کے مطابق رہی۔ خلیفہ مجھ سے ادھر ادھر کے ذاتی سوالات پوچھتا رہا اور میں باادب و احترام جواب دیتا رہا۔ رخصت ہوتے وقت مجھے یہ "حکم" دیا گیا کہ میں اس ملاقات کا کسی سے ذکر نہ کروں اور دوسری ملاقات کا تعین کر دیا۔ اس کے بعد مزید ملاقاتیں بتدریج غیر رسمی ہوتی گئیں اور مجھے رغبت دلائی گئی کہ میں ایک مخصوص "حلقہ ء داخلی" میں شامل ہو جاؤں۔

پتہ چلا کہ اس نیم دیوتا نے زناکاری کا ایک خفیہ اڈہ بنا رکھا ہے جس میں منکوحہ، غیر منکوحہ حتیٰ کہ محرمات کے ساتھ کھلے بندوں زناکاریاں ہوتی ہیں۔ اس عیاشی کے لئے اس نے دلالوں اور کٹنیوں کی ایک منڈلی منظم کر رکھی ہے جو پاکباز عورتوں اور معصوم دوشیزاؤں کو بہلا پھسلا کر مہیا کرتی ہے۔ جو عورتیں اس طرح ورغلائی جاتیں وہ اکثر ان خاندانوں کی ہوتی تھیں جو اقتصادی لحاظ سے جماعتی نظام کے دست نگر ہوتے تھے، یا جن کے دماغ اندھی تقلید سے معطل ہو چکے تھے۔ اس کے علاوہ اور بہت سی وجوہات اور مجبوریاں بھی تھیں جن کے باعث بہت سے لوگ اس ظالمانہ فریب کے خلاف مزاحمت کی طاقت نہ رکھتے تھے۔ گاہے بگاہے جب بھی کوئی ایسا شخص نکلا جس نے سرکشی کی تو اس کا منہ بند کرنے کے لئے اسے جماعت سے خارج کر دیا جاتا، اس کا مقاطعہ کر دیا جاتا یا شہر بدری کا حکم صادر ہو جاتا اور اس کے خلاف منظم طریق پر طنز و استہزاء کی مہم شروع کر دی جاتی تاکہ اس کی بات پر کوئی بھروسہ نہ کرے۔

مرزا خاندان مذہبی اثر و رسوخ کے علاوہ قادیان اور گردو نواح کی اکثر زمینوں پر حقوق جاگیرداری بھی رکھتا تھا اور روحانی عقیدت کے ساتھ ساتھ ساکنین قادیان قوانین جاگیرداری میں بھی جکڑے ہوئے تھے۔ اپنے مکانوں کی زمینیں خریدنے کے باوجود بھی انہیں مالکانہ حقوق نہیں ملتے تھے اور ان کی زمین و مکانات جاگیردار کی اجازت کے بغیر غیر منقولہ ہی رہتے تھے۔ یہ وہ لوگ تھے جو اپنا سب کچھ بیچ کر قادیان کی نام نہاد مقدس بستی میں اپنے بیوی بچوں کو بسانے کے لئے لائے تھے۔ اس قسم کے حالات میں اور خصوصاً اس زمانہ میں کون جرات کر سکتا تھا کہ اس خاندان کا مقابلہ کرے۔ جن لوگوں نے ذرہ بھر بھی صدائے احتجاج بلند کی، وہ یا تو اس طرح مار دئے گئے کہ بظاہر کسی حادثہ سے مرے ہوں اور یا پھر ایسے لاپتہ ہو گئے کہ ان کا نام و نشان بھی نہ رہا۔ جب یہ سب ستم ہائے پارسائی ہو رہے تھے، مسلمان علماء اپنی سادگی میں یہ گمان کئے بیٹھے تھے

کہ مرزائیت کو عقائد کی رو سے مناظروں اور مباحثوں کے مچانوں میں شکست دے دیں گے۔

جب میں اس انتہائی ذلیل اور وحشیانہ ماحول سے دوچار ہوا تو اپنی لاچارگی کے احساس سے دماغ مختل ہو گیا۔ مجھے ابھی تک وہ بیدار راتیں یاد آتی ہیں جن میں میں بے یارو مددگار خاموش آنسوؤں سے اپنے تکیے تر کیا کرتا تھا۔ اس خیال سے کہ میری باتوں پر یقین نہیں کیا جائے گا' میں اپنے والدین کو بھی نہیں بتا سکتا تھا کہ کیا اودھم مچا ہوا ہے۔ اسی طرح اپنے دوستوں سے بھی ان حالات پر تبادلہ خیالات نہ کر سکتا تھا کہ کہیں وہ خلیفہ کے مخبروں سے ذکر نہ کر دیں۔ میرے لئے ایک راستہ یہ بھی ہو سکتا تھا کہ کہیں روپوش ہو جاؤں لیکن اس کا ایک نتیجہ یہ ہوتا کہ یونیورسٹی میں میری تعلیم چھٹ جاتی۔ اس کے علاوہ یہ اخلاقی ذمہ داری بھی مانع تھی کہ اپنے والدین کو ان بد چلنیوں اور بدکاریوں سے لاعلمی کی حالت میں چھوڑ کر فرار ہو جانا ان سے دغا کرنے کے مترادف ہو گا۔

اس ذہنی کش مکش کی حالت میں یہ خیال بھی آتا کہ اس مذہبی دھوکہ باز کو قتل کر دوں لیکن باوجود کم عمری کے منطقی استدلال غالب آجاتا کہ قتل کی صورت میں عوام الناس یہ غلط نتیجہ نکال لیں گے کہ قاتل کوئی مذہبی متعصب تھا اور مقتول کو تاریخی اسناد ایک شہید کا درجہ دے دیں گی۔ پھر یہ بھی سوچتا تھا کہ ایک فوری اور ناگہانی موت اس شخص کے لئے عقوبت کی بجائے ایک نعمت بن جائے گی۔ اس قسم کا شخص تو ایسی موت مرنے کا مستحق ہوتا ہے جو معذبانہ ہو۔ محض اس لئے نہیں کہ وہ اس قسم کے باجیانہ اور ظالمانہ افعال کرتا ہے بلکہ خصوصاً اس لئے کہ وہ یہ افعال مذموم خدا اور مذہب کے نام پر کرتا ہے۔

چنانچہ بعد کے حالات نے میری توجیہات کی تصدیق کی۔ انجام کار یہ شخص فالج میں مبتلا ہو کر کئی سال تک گھسٹتا رہا اور ایڑیاں رگڑتے جہنم رسید ہوا۔ ایک ڈاکٹر نے جو آخری ایام میں اس کا معالج تھا بتایا کہ وہ انتہائی ضعیف العقل ہو چکا تھا اور کلمہ یا اور کسی دعا کی بجائے فحش اناپ شناپ بکتے اس نے دم توڑا۔

ان سب توجیہات کے علاوہ ایک وجہ اور بھی تھی جس کے ماتحت میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ اس ایک فرد کا قتل بے نتیجہ اور بے اثر ہو گا۔ مجھ پر یہ حقیقت واضح ہو چکی تھی کہ قادیان کے معاشرہ میں اس قسم کی بدچلنیاں اور بدمعاشیاں اس ایک شخص کے مر جانے سے ختم نہ ہوں گی۔ صرف یہ بدذات شخص اکیلا جنسی خبط میں مبتلا نہ تھا بلکہ اس کے دونوں بھائی اور نام نہاد "خاندانِ نبوت" کے اکثر افراد بھی اسی رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔ حتیٰ کہ اس جماعت کے سرکردگان جو ذمہ دارانہ عہدوں پر فائز تھے' ان میں سے بھی اکثر نمائشی داڑھیوں کو لہراتے اپنے اپنے سیاہ کاریوں کے اڈے جمائے بیٹھے تھے اور یہ سب کچھ ان لوگوں کی آپس میں اس خاموش تفہیم کے ماتحت ہو رہا تھا کہ "تم میری داڑھی نہ نوچو تو میں تمہاری داڑھی نہ نوچوں گا"۔ درحقیقت قادیان کے نظام میں اعلیٰ عہدوں پر تقرر اکثر اسی قماش کے لوگوں کا ہوتا تھا جو مرزا خاندان کے اسلوب زندگی اور ان کی جنسی قدروں کو اپنا لیتے تھے' یعنی اس خاندان کی مطلق العنان جنسی قدروں کے مطابق جس خاندان کو یہ لوگ "خاندانِ نبوت" کے نام سے موسوم کرنے کی جرات اور گستاخی کرتے ہیں۔

یہ کوئی غیر متوقع بات نہ تھی کہ اس قسم کی اخلاقی قیود سے آزاد عیاشیوں کی افواہیں باہر بھی پھیلنا شروع ہو گئیں اور باہر سے اوباش نوجوان اس جماعت میں شامل ہونے لگے تاکہ ان جنسی پابندیوں سے آزاد ہو جائیں جو ایشیائی تمدن و ثقافت ان پر عائد کرتا ہے اور اس طرح یہ شیطنت مآب دائرہ وسیع ہوتا چلا گیا۔

خلیفہ کے اس خفیہ اڈے سے قطع تعلق کر لینے کے بعد میری زندگی دائمی طور پر خطرہ میں رہنے لگی۔ اس کے غنڈوں نے سایہ کی طرح میرا تعاقب کرنا شروع کر دیا۔ ایسی مایوس کن اور پرخطر حالت میں میرے لئے کوئی چارہ نہ تھا سوائے اس کے کہ کھلم کھلا مقابلہ پر اتر آؤں اور انجام خدا پر چھوڑ دوں۔ چنانچہ میں خلیفہ سے ملنے گیا اور اسے ایک تحریر کی نقل دکھائی جس میں میں نے اس کے کرتوتوں کی تفاصیل لکھی تھیں اور اس کے شرکائے جرم کے نام' تاریخیں وغیرہ

درج کی تھیں ۔ میں نے اسے بتایا کہ اس تحریر کی نقلیں میں نے بعض ذمہ دار احباب کے پاس محفوظ کرا لی ہیں اور انہیں ہدایت کی ہے کہ ان لفافوں کو میری موت یا میرے لاپتہ ہو جانے پر کھول لیا جائے ۔ اس حکمت عملی نے مطلوبہ مقصد پورا کر دیا اور میں بلاخطر آزادی سے قادیان کے گلی کوچوں میں پھرنے لگا۔

جیسے جیسے مجھ پر قادیان کے اس گندے ماحول کا انکشاف ہوتا گیا' اسی نسبت سے میں مذہب سے بیزار ہوتا گیا ۔ صرف قادیانی مذہب سے ہی نہیں بلکہ مجموعی طور پر مذہب کے ادارے سے اور بتدریج یہ حالت دہریت تک پہنچ گئی ۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس سقیم حالت نے ایک روحانی خلاء بھی پیدا کر دیا' جس کو پر کرنے کے لئے میری تنہا ذات میں طاقت نہ تھی ۔ مجھے اپنے والد صاحب کو یہ سب حالات بتانا پڑے جو طبعاً ان کے لئے انتہائی صدمہ کا باعث ہوئے ۔ قدرتاً وہ ایک بچے کی باتوں کو بلا تصدیق مان نہیں سکتے تھے لیکن انہوں نے محتاط طور پر تحقیقات کرنا شروع کر دی اور کچھ عرصہ میں ہی ان پر ثابت ہو گیا کہ میں سچ کہہ رہا ہوں۔

میرے والد صاحب نے اس نام نہاد خلیفہ کو ایک خط لکھا جس میں مطالبہ کیا کہ وہ ان الزامات کی تکذیب کرے یا اپنی بدکاریوں کا کوئی شرعی جواز پیش کرے یا پھر خلافت سے معزول ہو جائے ۔ اس خط کا خلیفہ نے کوئی جواب نہ دیا لیکن دو مزید خطوط کے بعد اس نے اعلان کر دیا کہ شیخ عبدالرحمان مصری (یعنی میرے والد صاحب مرحوم) اور ان کے خاندان کے سب افراد کو جماعت سے خارج کر کے ان کا مقاطعہ کیا جاتا ہے ۔ میرے والد صاحب کے یہ تینوں خطوط اس زمانہ میں چھپ گئے تھے ۔

اس قسم کے مقاطعہ کے اصل ہتھکنڈے یہ ہوتے تھے کہ کسی شخص یا خاندان کا کلیتاً بائیکاٹ کر کے اس کا "حقہ پانی" بند کر دیا جاتا تھا ۔ ان حالات میں ہمارے خاندان کی جانیں اتنے خطرہ میں تھیں کہ حکومت کو ہماری حفاظت کے لئے فوجی پولیس کے دستے متعین کرنا پڑے جو ۲۴ گھنٹے ہمارے مکان کے گرد پہرہ دیتے تھے ۔ ہم میں سے کسی کو بھی بغیر پولیس کی نگرانی کے گھر سے باہر جانے کی اجازت نہ تھی لیکن باوجود اس قسم کی حفاظتی پیش بندیوں کے' مجھ پر اور میرے دو ساتھیوں پر قادیان کے بڑے بازار میں دن دھاڑے حملہ ہو گیا ۔ میرے ایک عمر رسیدہ ساتھی کو چاقو کا گھاؤ لگا جس سے وہ جاں بحق ہو گئے ۔ دوسرے ساتھی کو گردن اور کندھے پر چاقو سے زخم آئے اور انہیں کافی عرصہ ہسپتال میں رہنا پڑا ۔ مجھے پروردگار نے اس طرح بچالیا کہ میرے ہاتھ میں ایک بڑی ڈنڈا تھا

مرزائیت کی طرف سے ایک نیا خطرہ پیدا ہو رہا ہے قادیانی ٹولے نے بین الاقوامی سیاست میں ناٹک کھیلنا شروع کر دیا ہے اور دشمنان اسلام سے ساز باز کر لی

جو میں حملہ آور کی کھوپڑی پر اتنے زور سے مارنے میں کامیاب ہو گیا کہ اس کے سر سے خون بہنے لگا ۔ اس زخمی حملہ آور کو اس کے شرکائے جرم سہارا دے کر آناً فاناً غائب ہو گئے اور اسے ایک ایسی پوشیدہ جگہ میں چھپا دیا جو پہلے سے معین کر رکھی تھی ۔ لیکن پولیس اس کے سر سے ٹپکے ہوئے خون کے قطرات دیکھ کر وہاں پہنچ گئی اور اسے گرفتار کر لیا ۔ عدالت عالیہ میں اس کا جرم ثابت ہوا اور اسے پھانسی دی گئی ۔ اس زمانہ کی قادیانی "ریاست" میں امن و قانون کی اتنی برملا تحقیر تھی کہ قاتل کی میت کا جلوس دھوم دھام سے نکالا گیا اور خلیفہ نے خود نماز جنازہ پڑھائی جو قادیانی مریدوں کی نظر میں بہت بڑی عزت افزائی سمجھی جاتی تھی۔

اس حادثہ کے بعد مسلمانوں کی ایک جمعیت

"مجلس احرار الاسلام" نے ہماری حفاظت کیلئے رضاکاروں کے جتھے بھیجنا شروع کر دئے جو فوجی پولیس کے علاوہ تھے۔ ان رضاکاروں نے ہمارے بنگلے کے گرد میدان میں خیمے نصب کر دئے اور ہمارا گھر ایک محصور قلعہ کی طرح بن گیا۔ اس اثناء میں مرزائی ٹولے نے میرے والد صاحب کو جعلی مقدمات میں الجھانا شروع کر دیا تاکہ جماعت میں ان کی ساکھ اٹھ جائے نیز یہ کہ ان پر مالی بوجھ پڑے۔ الغرض وہ تمام کمینی چالیں چلی گئیں جن سے ان کی زندگی اجیرن ہو جائے۔ اپنے گیارہ بچوں پر مشتمل کنبے کی پرورش کے لئے نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ انہیں خاندانی زیورات اور گھر کے سازو سامان بیچ بیچ کر گزارا کرنا پڑا۔ ان آفات انگیز حالات کا سب سے بڑا سانحہ یہ تھا کہ اس دوران خاندان کے بچوں کی تعلیم کے سلسلہ میں خلل پڑ گیا۔ ہم پر حملہ اور دیگر زیادتیوں کے حالات ہندوستان کے اخبارات میں باقاعدہ چھپتے رہتے تھے۔

ہمارے خاندان کو سرکاری افسران کی طرف سے اور بہت سے مخلص دوست احباب کی طرف سے بھی یہ ترغیب دی جا رہی تھی کہ ہم قادیان سے نقل مکانی کر لیں اور ہم طوعاً و کرہاً لاہور منتقل ہو گئے۔ گو "احمدیوں" کے لاہوری اور قادیانی فرقوں میں عقائد کے اعتبار سے کوئی لمبا چوڑا فرق نہیں لیکن کم از کم یہ پہلو تو رہا کہ لاہوری جماعت کا معاشرہ قادیانی معاشرہ کی طرح اخلاقی اور جنسی بدکاریوں میں ملوث نہ تھا۔

میرے والد صاحب تو لاہوری جماعت میں شامل ہو گئے لیکن جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا ہے، میرا ایمان بحیثیت مجموعی ہر مذہب سے اٹھ چکا تھا اس لئے میں نے اپنے آپ کو ان بندھنوں سے آزاد رکھا۔ زندگی کے اس دور میں میرا تعلق مجلس احرار الاسلام کے سرکردہ احباب سے بڑھنا شروع ہو گیا جو میرے لئے بہت روح افزا ثابت ہوا۔ ان بزرگوں میں سے بعض کے نام درج کرنا ضروری محسوس کرتا ہوں۔ مثلاً سید عطاء اللہ شاہ بخاری صاحب، مولانا حبیب الرحمان صاحب لدھیانوی، چوہدری افضل حق صاحب، مولانا مظہر علی صاحب اظہر وغیرہم۔ ان سب کو قریب سے دیکھنے پر احساس ہوا کہ یہ لوگ نیک سیرت مسلمان اور پر خلوص دوست ہیں۔

گو میرے والد صاحب نے میری دہریت کو ظاہراً تسلیم و رضا کے ساتھ قبول کر لیا تھا لیکن میں جانتا تھا کہ دل میں یہ صدمہ ان کے لئے سوہانِ روح بنا ہوا ہے۔ وہ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ میرے لئے بہت دعائیں کرتے ہیں اور مجھے بھی نصیحت کرتے رہتے تھے۔ میں دعاؤں کے ذریعہ اللہ سے ہدایت کا طالب ہوں۔ اس کا جواب میں یہ دیا کرتا تھا کہ آپ مجھ سے ایک ایسی ہستی سے دعا کرنے کو کہہ رہے ہیں جس کا وجود ہی نہیں۔ ایک عرصہ کے بحث مباحثہ کے بعد انہوں نے یہ مشورہ دینا شروع کیا کہ میں اپنی دعاؤں کو مشروطی رنگ میں کیا کروں۔ اور میں نے اس قسم کے اناپ شناپ الفاظ میں دعائیں کرنا شروع کر دیں "یا اللہ! مجھے یقین ہے کہ تیری کوئی ہستی نہیں، لیکن اگر تیری ہستی ہے تو اس کی کوئی علامت مجھ پر ظاہر کر ورنہ مجھے قابلِ الزام و ملامت نہ ٹھہرانا کہ میں تجھ پر ایمان نہ لایا" وغیرہ وغیرہ۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ راسخ العقیدہ مومنوں کی نظر میں اس قسم کی دعا کلمۂ کفر کے مترادف ہے اور اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کی شانِ پاک میں بے ادبی ہے لیکن اس کے باوجود میری اس طرح کی دعائیں میرے لئے ایسی کارگر ثابت ہوئیں کہ ایک سال کے عرصہ میں ہی ان کے روحانی نتائج نکل آئے۔ مجھے تواتر کے ساتھ دو خواب دکھائے گئے۔ چونکہ وہ خواب شخصی اور نفسیاتی کیفیت کے ہیں، اس لئے ان کے بیان کرنے کی جرات نہیں کرتا۔ صرف اتنا عرض کر دینا کافی ہو گا کہ یہ خواب خصوصاً دوسرا خواب بہت لمبا، آسانی سے سمجھ میں آنے والا اور مربوط تھا۔ ایسا کہ مجھ ایسے گنہگار کے لئے بھی اللہ تبارک و تعالیٰ کی ذات پر کسی شک و شبہ کی گنجائش باقی نہ رہی۔ یہاں پر اتنا بتا دینا مناسب ہو گا کہ دوسرے خواب کے آخری لمحات میں مجھے مرزائی خلیفہ کا چہرہ دکھایا گیا جو بھیانک طور پر سیاہ فام اور فسق و فجور سے مسخ شدہ تھا۔

ان خوابوں کے بعد میرے دل و دماغ سے بہت بڑا

بوجہ اتر گیا اور میں نے فیصلہ کیا کہ اپنی کتابِ زندگی کا نیا ورق الٹا کر باضابطہ اسلام قبول کر لوں ۔ چنانچہ سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری مجھے اپنے ساتھ مولانا محمد الیاس صاحب کے ہاں مہرولی لے گئے ۔ مہرولی دلی سے چند میل پر وہ قصبہ ہے جہاں پر مولانا محمد الیاس صاحب نے تبلیغی جماعت کی بنا ڈالی تھی ۔ اس طرح ۱۹۴۰ء میں میں مولانا محمد الیاس صاحب جیسے بزرگ کے ہاتھ پر بیعت کر کے مسلمان ہوا ۔ اس مبارک موقع پر یہ حسن اتفاق تھا کہ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب بھی موجود تھے ۔ مغرب کی نماز پڑھانے کے بعد مولانا محمد الیاس صاحب اور چالیس ۴۰ کے قریب معتقدین نے میرے حق میں دعا کی ۔

۱۹۴۱ء میں میں مشرقی افریقہ ہجرت کر گیا ۔ ہندوستان کو خیرباد کہتے ہوئے میرے احساسات مسرت و الم کا مرکب تھے ۔ بمبئی کی بندرگاہ میں جہاز کے عرشہ پر کھڑے زیرِ لب میں قرآن مجید کی یہ آیت تلاوت کر رہا تھا "اور تمہارے پاس کیا عذر برات ہے کہ تم ان ضعیف و بے بس مردوں عورتوں اور بچوں کی مدد کے لئے اللہ کی راہ میں جنگ نہیں کرتے جو آہ و زاری سے دعائیں مانگ رہے ہیں کہ اے ہمارے رب ہمیں اس بستی سے نجات دلوا جس کے باشندے ظالم ہیں" ۔ (سورہ النساء ۔ آیت ۷۵)

افریقہ میں بیس سال کی سکونت کے بعد میں نے ۱۹۶۱ء میں انگلینڈ ہجرت کر لی جہاں پہلے ۲ برس کے قریب بطور طالب علم اپنی تعلیمی کمزوریوں کو دور کرنے کی کوشش کرتا رہا ۔ اس کے بعد "اسلامک ریویو" رسالہ کا بلاشتراک ایڈیٹر بن گیا اور ۱۹۶۴ء میں شاہ جہاں مسجد ووکنگ کا سب سے پہلا سنی امام مقرر کیا گیا ۔ یہ مسجد برطانیہ میں سب سے پہلی مسجد تھی اور اس زمانہ میں سارے یورپ کے اسلامی مرکز کی حیثیت رکھتی تھی ۔ پانچ سال کی امامت کے بعد ۱۹۶۸ء میں مستعفی ہو کر بذریعہ کار تقریباً ۴۳ ممالک کا تین برس تک دورہ کرتا رہا جن میں زیادہ تر اسلامی ممالک تھے ۔ اس دورہ کا اصل مقصد اپنی ایک دیرینہ خواہش کو پورا کرنا تھا کہ بلاتوسط بچشم خود مطالعہ کروں کہ اسلامی دنیا میں عوام الناس کس طرح اسلامی قدروں کو عملی طور پر نبھا رہے ہیں ۔ میری ہنگامی اور نزاعی زندگی میں خدا نے جو سب سے زیادہ مسرت بخش اسلام کی خدمت کرنے کی مجھے توفیق دی وہ یہ تھی کہ ووکنگ مسجد کی امامت سے مستعفی ہونے سے قبل ایسے حالات پیدا کرنے میں کامیاب ہو گیا کہ اس مسجد اور مرکز میں اب کبھی بھی کسی مرزائی امام کا تقرر نہیں ہو سکتا ۔ وما توفیقی الا باللہ ۔

میں اپنے مسلمان بھائیوں اور بہنوں کو ایک مشورہ دینے کی جرأت کرتا ہوں اس توقع پر کہ مسلم اکابرین اور اسلامی حکومتوں کے سربراہ ان خیالات اور جذبات کو کماحقہ اہمیت دیں گے ۔ میرے یہ تاثرات قادیانیوں کے ساتھ عمر بھر کی آویزش اور تجربات پر مبنی ہیں ۔ مرزائیت کے عقائد اور فرقہ بندیوں میں اب اسلام کے لئے کوئی خطرہ باقی نہیں رہا ۔ اس مذہبی فریب کا بھونڈا چہرہ مدت سے بے نقاب ہو چکا ہے ۔ اسلام میں بطور ایک دینِ حق کے پوری صلاحیت ہے کہ اس قسم کی غیر شرعی تحریکوں کا مقابلہ کر سکے ۔ لیکن مرزائیت کی طرف سے اب ایک نئے قسم کا خطرہ پیدا ہو رہا ہے ۔ قادیانی ٹولے نے اب بین الاقوامی سیاست میں بھی ٹانگ کھیلنا شروع کر دیا ہے اور دشمنانِ اسلام کے پاس چوری چھپے اپنی خدمات بیچنا شروع کر دی ہیں ۔ جاسوسی کا پیشہ ہمیشہ پر منفعت ہوتا ہے ' لیکن جب غیر

میں مذہب تک سے بیزار ہو گیا اور رفتہ رفتہ مجھ پر دہریت طاری ہو گئی ۔ میرے اندر ایک روحانی خلاء پیدا ہو گیا جس کو پر کرنے کے لئے تنہا میری ذات میں طاقت نہیں تھی

ممالک میں جاسوسی کے اڈے مذہب کے نام پر تبلیغی مراکز کے بھیس میں کھولے جائیں تو یہ گماشتگی سود مند ہونے کے ساتھ خطرہ سے بھی آزاد اور آسان ہو جاتی ہے۔ غیر مسلموں کا عام طور پر یہ خیال ہے کہ ہماری طرف سے مرزائیت کی مخالفت محض مذہبی تعصب کی بنا پر ہو رہی ہے، وہ یہ حقیقت نہیں سمجھ پاتے کہ عقائد کے اختلافات کے علاوہ قادیانی منڈلی کو اسلام دشمن قوموں نے خرید رکھا ہے اور انہیں اسلامی ممالک میں اپنے سیاسی اور اقتصادی فوائد کو فروغ دینے کیلئے شریکِ کار بنا رکھا ہے۔ ان سب ملاحظات کے علاوہ مرزائیت کی مخالفت کی ایک اور وجہ یہ بھی ہے کہ مسلم شرفاء کے دلوں میں یہ تشویش رہتی ہے کہ قادیانی معاشرہ کا رِندانہ رنگ کہیں ان کے اپنے نوجوانوں پر نہ چڑھ جائے اور ان کی اخلاقی قدروں کو گھن نہ لگا دے۔ ○○

بشکریہ ندا - لاہور ۱۳ ستمبر ۱۹۸۹ء

اللہ سے محبت ۔ اتباعِ سنت

جب لوگوں نے اللہ جل شانہ سے محبت کا دعویٰ کیا تو یہ آیت نازل ہوئی :

قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ ۔

"اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت سے کہہ دیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو۔ اللہ تمہیں محبوب بنا لے گا۔"

اللہ جل شانہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کو اپنی محبت قرار دیا۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا ہے کہ :

"تم میں سے کسی کا ایمان اس وقت تک کامل نہیں ہوسکتا۔ جب تک کہ اس کی خواہشات میرے احکام کے تابع نہ ہو جائیں۔"

اَللّٰهُمَّ وَفِّقْنَا لِمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰى ۔

مرسلہ !
محمد قادر بخش اعوان
بستی مولویاں (رحیم یار خان)

انڈونیشیا کے پاکستانی سفارت خانے میں قادیانیوں کی ملک دشمن سرگرمیاں

محمد نعیم خان (؟)

قادیانیوں کا دعویٰ ہے کہ، اس وقت دنیا میں ان کی تعداد پندرہ ملین سے تجاوز کر چکی ہے اور دنیا کے ۱۲۰ ممالک میں ان کے ماننے والے قیام پذیر ہیں - اسرائیل سمیت دنیا کے ایک سو بیس ممالک میں ان کے عبادت خانے موجود ہیں، جہاں انتہائی منظم انداز میں احمدیت کی تبلیغ اور نشرو اشاعت کا کام جاری ہے - پاکستان میں احمدیوں کو غیر مسلم قرار دیا جا چکا ہے، جس پر برافروختہ ہو کر ۱۹۸۴ء میں خلیفۂ وقت مرزا طاہر احمد انگلستان ہجرت کر گئے ہیں اور اب احمدیت کی نشرو اشاعت کا مرکز لندن ہے - بیشتر اسلامی ممالک میں بشمول سعودی عرب قادیانیوں کا داخلہ ممنوع ہے - قادیانی حضرات شہرت کی خاطر اکثر و بیشتر مباہلوں، مناظروں اور اسی قسم کی دیگر حرکات سے اپنے وجود کا یقین دلاتے رہتے ہیں - پچھلے سال ۱۰ جون ۸۸ء کو مرزا طاہر احمد نے تحریری طور پر دنیا کے مسلمانوں کو مباہلے کا چیلنج دیا تھا، جسے اکثر و بیشتر مقامات پر انفرادی اور اجتماعی طور پر قبول کر لیا گیا تھا اور مرزا صاحب سے کہا گیا تھا کہ وہ ایک مقررہ جگہ پر تشریف لے آئیں، جہاں حق و باطل کے درمیان فیصلہ ہو جائے، مگر انہوں نے یہ کہہ کر اپنی جان بچائی کہ مباہلے کے لیے کسی ایک جگہ جمع ہونا شرط نہیں ہے - ان کے اتباع میں جماعت احمدیہ کیرالہ کے امیر نے بھی وہاں کے مسلمانوں کو مباہلے کا چیلنج دیا ۲۸ مئی ۸۹ء کو مباہلے کا دن طے کیا گیا تھا، مگر چیلنج کے فوراً بعد خلیفۂ وقت کے نائب اور امیر احمدیہ جماعت، ملیالم، اس دنیا سے کوچ کر گئے، اس واقعے کی تفاصیل دیگر اخبارات کے علاوہ ۱۳ - جولائی ۸۹ء کے تکبیر میں بھی شائع ہو چکی ہیں -

پاکستان میں بھی احمدیوں کی ریشہ دوانیاں جاری ہیں پاکستان میں مختلف ناجائز ذرائع سے احمدی حضرات نے بہت سے اہم مناصب پر قبضہ کر رکھا ہے - وزارت خارجہ اور وزارت تعلیم پر ان کی خاص توجہ ہے - اس سلسلے میں جکارتہ کے پاکستانی سفارت خانے کے پولیٹیکل افیئرز کے بعض پاکستانیوں کی طرف سے ارسال کردہ بعض حقائق، جو انتہائی مستند طریقے سے حاصل شدہ ہیں پیش کیے جا رہے ہیں - حکومت پاکستان سے درخواست ہے کہ ان واقعات کی فوری تحقیقات کرائی جائے اور پاکستانی سفارت خانے اور اسکول کو نیز جہاں کہیں بھی، اس قسم کے واقعات ہو رہے ہیں ان سے نجات حاصل کی جائے۔

جکارتہ میں پاکستانی ایمبیسی سے آمدہ اطلاعات کے مطابق انڈونیشیا میں متعین پاکستانی سفیر، جناب خالد سلیم، کمرشیل سیکریٹری مسٹر انجم بشیر، پریس اتاشی مسٹر جاوید سرفراز اور پاکستانی اسکول جکارتہ کے پرنسپل مبشر احمد انتہائی متعصب قادیانی (احمدی) ہیں - یہ حضرات پاکستان کے عزت، وقار اور تحفظ و سلامتی کے ضیاع کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے - پاکستان دشمن سرگرمیوں میں پوری طرح ملوث ہیں - ان حضرات نے ۳ ہندوستانی نوجوان لڑکیوں اور دو اسرائیلی عورتوں کو پاکستانی کمیونٹی اسکول اور پاکستان ایمبیسی میں ملازم رکھا ہوا ہے -

ان حضرات کے پرائیویٹ خطوط سے، جو بعض محب پاکستان عناصر کے ہاتھ لگ گئے، ثابت ہو گیا ہے کہ یہ حضرات پاکستانی پاسپورٹ اور ویزے بیچنے کے کالے دھندے میں بھی پوری طرح ملوث ہیں - انہوں نے ہندوستانی انٹیلیجنس کمانڈوز اور اسرائیلی ایجنٹوں، موساد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

EMBASSY OF PAKISTAN

JAKARTA

July 24 1989.

No. Pol(DP), Sec. 7249

PAKISTAN GATE

Embassy confirms that the Ambassador of Pakistan Mr. Khalid Saleem, the Commercial Secretary Mr. Anjem Bashir, the Press Attache Mr. Javed Sarfraz, and the Principal Pakistan Embassy School Jakarta Prof. Mubashir Ahmad are stunt Ahmadiyahs and ignoring the pride and security of the nation are busy in anti-Pakistan activities, as they have employed 3 Indian agents and two Israeli agent ladies in Pakistan Embassy and Pakistan Embassy School Jakarta.

2 Letters recovered from the above mentioned persons's private mail reveal that they have received a very large amount of money to provide Pakistani Passports with visas to Black Cats-the Indian Intelligence Commandos and the MOSSAD-Israeli agents to enter Pakistan for massacre in big cities and to sabotage Pakistan Nuclear installations, specially at Kahuta.

3. All concerned documents are coveyed through the Indian Hindu teachers working in Pakistan Embassy School Jakarta to the above mentioned gencies. Official record concerning the Indian teachers recovered from Press Attache office shows that Miss Pushpa Gurnani- a Hindu, studied ...emorial International School Jakarta, and then trained in Poona, ...) is being paid 400 US$, and the other Hindu teacher Mrs. ...to a Philippino) studied in Poona and served at Gandhi

سفارت خانے سے موصول ہونے والے ایک اطلاع نامے کا تراشہ

کے کمانڈوز کو ویزے جاری کیے ہیں، تاکہ وہ پاکستان کے بڑے شہروں میں قتل عام کریں، تخریب کاری کے باقاعدہ نظام کو منظم کریں اور پاکستان کی ایٹمی تنصیبات کو تباہ کر دیں، بالخصوص کہوٹہ پلانٹ کو۔

یہ ساری خط وکتابت اور پاکستانی رازوں پر مشتمل دستاویزات کی ترسیل ان ہندو اساتذہ کے ذریعہ ہو رہی ہے، جو پاکستانی ایمبیسی اسکول جکارتہ میں کام کر رہے ہیں اور حقیقتاً وہ "را" اور "موساد" کے لوگ ہیں۔ انڈین ٹیچرز کے بارے میں سرکاری ریکارڈ سے، جو ایمبیسی کے پریس اتاشی کے دفتر سے برآمد ہوا ہے، معلوم ہوا ہے کہ اسکول کے ایک ٹیچر مس پشپا گورنانی، جو ہندو ہیں، انہوں نے جکارتہ کے گاندھی انٹرنیشنل اسکول میں تعلیم حاصل کی ہے اور پھر پونہ جا کر سی ٹی کی ٹریننگ کی ہے، انہیں ان کی خدمات عالیہ کے صلے میں چار سو امریکی ڈالر مشاہرہ دیا جاتا ہے۔ دوسری ہندو ٹیچر مسز اولینڈو ہیں، جنہوں نے ایک فلپینی سے شادی کر لی ہے، انہوں نے بھی پونہ میں تعلیم حاصل کی ہے اور گاندھی میموریل اسکول جکارتہ میں بھی پڑھا چکی ہیں، اور اب پاکستانی اسکول میں پڑھاتی ہیں۔ انہیں ماہانہ چھ سو یو ایس ڈالر مشاہرہ ادا کیا جاتا ہے، ان کے مقابلے میں دیگر انڈونیشی ٹیچرز سے بہت برا سلوک ہوتا ہے، تنخواہیں بھی بیحد کم ہیں، حالانکہ وہ لوگ اعلیٰ تعلیمی اسناد کے حامل ہیں۔ پاکستانی سفیر صاحب کے، اس امتیازی برتاؤ کو انڈونیشی محکمۂ تعلیم اور انٹیلیجنس ایجنسی "باکن" کے علم میں بھی لایا جا چکا ہے۔ جن کی طرف سے آج کل تفتیش ہو رہی ہے۔ ایک اور ہندو انڈین ٹیچر مس پدیتما ہیں، ان کی ماہانہ تنخواہ پانچ سو امریکن ڈالرز ہے۔ ایک اسرائیلی ایجنٹ مسز ریال بھی اسی اسکول میں متعین کی گئی ہیں، جن کا ماہانہ مشاہرہ چھ سو یو ایس ڈالر ہے، سفارت خانے میں سفیر صاحب کی "پرائیویٹ سیکریٹری" مسز جینی ہیں، جو عیسائی ہیں اور اسرائیلی مفادات کے لیے کام کرتی ہیں، ان کی تنخواہ بھی بہت زیادہ ہے۔

اسکول کی انجمن والدین و اساتذہ اور طلباء کے والدین کی طرف سے بھیجے گئے بے شمار خطوط سے پتہ چلا ہے، کہ اسکول میں ملازم ہندوستانی اساتذہ نہ صرف پاکستان کے سبب قیام کو غلط بتاتے ہیں بلکہ موقع بموقع پاکستان اور

پاکستانیوں کی توہین کرتے رہتے ہیں، انہوں نے پاکستان کے خلاف بچوں کے دلوں میں نفرت اور تحقیر و استہزاء کو بھی اپنا مستقل وطیرہ بنایا ہوا ہے۔ پاکستان کی تہذیب و ثقافت، شعائرِ اسلامیہ، پاکستانی لیڈروں اور قائد اعظم، شہید ملت، علامہ اقبال وغیرہ کو مستقل برا بھلا کہا جاتا ہے۔ پاکستانی اسکول کے نصاب میں من مانی تبدیلیاں کر دی گئی ہیں، مثلاً گریڈ نمبر ۵ اور گریڈ ۶ کی جغرافیے کی کتاب کو، جس میں پاکستان کا جغرافیہ تھا ایک اور ملک کے جغرافیے کی کتاب سے تبدیل کر دیا گیا ہے، جو نہ صرف بچوں کے لیے غیر ضروری ہے، بے حد مشکل بھی ہے۔ پاکستانی بچوں کو ہندو اساتذہ مشرقی پاکستان کے سقوط کی مثالوں اور دیگر طریقوں سے بتاتے رہتے ہیں کہ پاکستان غلط بنا ہے اور ایک نہ ایک دن اسے ٹوٹنا ہے۔ ان کا طرزِ عمل بالکل وہی ہے، جو بنگلہ دیش بننے سے پہلے کے بنگالی ہندو اساتذہ کا تھا۔ انڈونیشی ٹیچرز میں بھی پاکستان اور پاکستانیوں کے خلاف نفرت کا جذبہ بڑی تیزی سے ابھر رہا ہے کیونکہ سفیر صاحب اور پرنسپل صاحب کی مہربانیوں سے ہندو ٹیچرز کو انڈونیشی ٹیچرز کے مقابلے میں کم از کم پانچ گنی زیادہ تنخواہ دی جا رہی ہے۔

پاکستانی اسکول میں عیسائیوں کی سرگرمیاں عروج پر ہیں۔ کلاسوں میں روزانہ عیسائی عبادات انجام دی جاتی ہیں۔ چیریٹی کیک تیار کیے جاتے ہیں، جو پاکستانی اور دیگر مسلمان بچوں میں معاشرتی سرگرمیوں، کے نام پر تقسیم کیے جاتے ہیں۔ ایک بڑے افسر نے ۲۱ جون ۸۹ء کو اسکول کے معائنے کے بعد، اس کی تصدیق کرتے ہوئے اسے غیر مناسب بھی قرار دیا ہے۔ تمام عیسائی تہوار بڑی دیدہ دلیری سے، شان و شوکت سے منائے اور پاکستانی اور دیگر مسلمان بچوں سے منوائے جاتے ہیں۔ اسکول کے مختلف فنکشنز اور تقریبات میں ہندوستانی بالخصوص جنسی مظاہروں سے بھرپور، رقص خاص اہتمام کے ساتھ دکھائے جاتے ہیں۔ احمدی پرنسپل جناب مبشر احمد صاحب نے ۲۱ فروری ۸۹ء کو اپنی آمد کے فوری بعد انڈین ایمبیسی سے خصوصی درخواست کی کہ پاکستانی اسکول میں ہندوستانی کلچر اور موسیقی پر مبنی کلاسوں کا اجراء کیا جائے ان کے۔ اس شرمناک اقدام سے پاکستانی قوم کے عزت و وقار کو کس قدر بٹہ لگا اور وہاں مقیم غیرت مند اہلِ پاکستان کی کتنی تضحیک ہوئی، اس کا اندازہ ہر غیرت مند پاکستانی لگا سکتا ہے۔ وہاں کام کرنے والے عیسائی مغربی گروہوں اور طاقتوں نے اسکول کے ہندوستانی اساتذہ کو فرنیچر، پوسٹر اور وال کلاک وغیرہ پیش کیے ہیں، تاکہ اسکول میں آویزاں کیا جائے، ہر محبِّ وطن مسلمان اندازہ لگا سکتا ہے کہ ان پوسٹروں میں کن "ارشادات" کی تلقین ہو گی۔

مسلمان اساتذہ کی تضحیک و تذلیل سے انہیں، اس بات کی طرف ڈھکیلا جاتا ہے کہ وہ استعفیٰ دیدیں تاکہ زیادہ سے زیادہ ہندو اور عیسائی اساتذہ بھرتی کیے جا سکیں۔ اس وقت بھی بچوں کے والدین کے کہنے کے مطابق تقریباً اسی فیصد اساتذہ غیر مسلم ہیں۔

اسکول اخلاقی گراوٹ، ابتذال اور مالی بدعوانیوں کا مرکز بن چکا ہے، جسے قوم کے لیے ایک سفید ہاتھی ہی کہا جا سکتا ہے۔ مثلاً پوربینک میں اسی ہزار امریکی ڈالروں پر مشتمل ایک خفیہ ریزرو فنڈ کھولا گیا ہے، جو وزارت تعلیم یا حکومت پاکستان سے بالکل پوشیدہ ہے۔ تحقیق و تفتیش ہی پر شاید اس کا پتہ لگایا جا سکے۔ حکومت پاکستان ہر سال، اس اسکول کے لیے نو لاکھ روپے کی گرانٹ دیتی ہے، مگر یہ ساری گرانٹ اور وہاں سے حاصل کردہ آمدنی کا ایک معتدبہ حصہ درج بالا ذمہ داران اسکول کی جیبوں میں چلا جاتا ہے، جب کہ پاکستانی قوم کا بڑا حصہ شدید افلاس اور پریشان کن حالات سے دوچار ہے، بے روزگاری اور بحران بڑھتے جا رہے ہیں، یہاں مسز ظہیر ہی کے پاس دو دو کاریں موجود ہیں، احمدی پروفیسر بشیر احمد، سفیر کبیر کے سالے ہیں۔ اسی لیے بغیر کسی انتخاب یا وزارت تعلیم کی ضروری کارروائی کے ، اس منصب پر متعین کر دیئے گئے ہیں، حالانکہ اس جگہ اور یہاں دیگر متعدد جگہوں کے لیے۔ اس مرتبہ انتخاب صوبہ بلوچستان سے ہونا تھا۔ گویا اس طرح واضح اور صریح طور پر صوبہ بلوچستان کے حقوق کو غصب کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ ایک اور احمدی مبلغ صاحب کو بھی ربوہ سے ایک ہزار ڈالر ماہانہ تنخواہ پر طلب کیا گیا ہے۔ یہ صاحب بھی بظاہر تعلیم دینے کے لیے بلائے جا رہے ہیں، جب کہ ان کا کبھی بھی شعبۂ تعلیم سے کسی قسم کا تعلق نہیں رہا ہے۔ اس مرتبہ تمام اساتذہ کا انتخاب اور تقرر صوبہ بلوچستان سے ہونا تھا، مگر سفیر صاحب اور مسز انجم ظہیر تمام قوانین اور صوبائی کوٹے کو بالائے طاق رکھتے ہوئے اور بلوچوں کے حقوق پر ڈاکہ

ڈالتے ہوئے صرف اور صرف احمدی اساتذہ لا رہے ہیں ، جس کے لیے وزارتِ تعلیم سے کوئی منظوری بھی حاصل نہیں کی گئی ہے - ان حضرات کو لانے سے ، جہاں انہیں پاکستانی اسکول کی چھت نصیب ہوگی ، وہیں اس کی آڑ میں انڈونیشیا کا وسیع و عریض میدان میسر ہوگا - تاکہ احمدیت اور قادیانیت کی دل کھول کر تبلیغ کی جا سکے اور لوگوں کو احمدی بنایا جا سکے -

پاکستانی ایمبیسی کے دیگر اسٹاف ممبر عرصہ دراز سے یہ باتیں حکومت کے علم میں لاتے رہے ہیں . مگر شاید یہاں کے ارباب حل و عقد کا خیال ہے کہ ہندو اساتذہ ، عیسائیوں یا پاکستان دشمن حضرات کی تعلیم سے بچوں پر کوئی اثر نہیں پڑے گا . تعلیم تو ہوتی ہی رہے گی - ایک بڑے افسر کی طرف سے ایک مرتبہ اسٹاف میٹنگ میں یہ کہا بھی گیا ہے کہ مسلمان بچے ہندو تھوڑی ہو جائیں گے -

حال ہی میں ایک انڈونیشی مسلمان طالب علم نے اپنے ایک خط میں حکومت کو ، اس بات کی نشان دہی کی تھی کہ سفیر صاحب کی کوششوں اور فری ویزا دینے کی وجہ سے پندرہ احمدی طالب علم اسلام آباد کی بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی میں زیر تعلیم ہیں - ان طلباء سے ویزوں اور دیگر مراعات پر کوئی فیس نہیں لی جاتی جبکہ دوسرے انڈونیشی طالب علموں سے ویزوں اور دیگر مدوں میں بھاری رقوم وصول کی جاتی ہیں ، ساتھ ہی ان کی پاکستان آنے پر ہمت شکنی بھی کی جاتی ہے - یہ خط اور اس سلسلے میں ایک مضمون جکارتہ کے ایک اسلامی رسالے " پوجی مسیارا کت " میں جولائی ۱۹۸۹ء میں چھپ بھی چکا ہے - اس کے علاوہ ایک انڈونیشی طالب علم پاکستانی سفارت خانے کے ذمہ دار حضرات پر سخت تنقیدی خط بھی لکھ چکا ہے ، جس میں ان بے قاعدگیوں اور امتیاز پر شرم دلائی گئی ہے - یہ خط سفارت خانے میں محفوظ ہے ، جو انڈونیشیا میں تحریر ہے - خط اور اس کا ترجمہ حسب طلب متعلقہ محکمے سے منگوایا جا سکتا ہے -

احمدی پرنسپل مبشر احمد صاحب نے اسکول کی ذمہ داریوں کا بوجھ اپنے ایک خاص سائنس ٹیچر پر ڈال رکھا ہے ، یہ سائنس ٹیچر ، جو سائنس پڑھانے کے لیے مقرر کیے گئے ہیں - آج کل " دینیات " پڑھاتے ہیں ، اس سلسلے میں والدین شکایات بھی کر چکے ہیں نتیجہ یہ ہے کہ سائنس ٹیچر نہ ہونے سے بچے سائنس میں کافی کمزور ہیں - مبشر احمد صاحب یہ " ٹھکانہ " میسر آجانے پر اب اسکول کے امور میں کم سے کم دلچسپی لیتے ہیں اور جکارتہ میں احمدی تبلیغی مشنوں کی ترویج و اشاعت میں ہمہ تن مشغول ہیں -

پریس اتاشی مسٹر جاوید بھی اپنی ڈیوٹی میں کوئی دلچسپی نہیں لیتے اور مسٹر انجم کمرشیل سکریٹری کے ساتھ مل کر پاکستان دشمن تحریکوں میں مشغول ہیں ، انڈونیشیا کے اخبارات اور ذرائع ابلاغ پاکستان کے بارے میں بڑی تشویشناک اور تکلیف دہ خبریں چھاپ رہے ہیں ملک کو افلاس زدہ اور فرسودہ کلچر کا حامل ظاہر کیا جا رہا ہے بعض اوقات بڑی شرمناک خبریں اور تاریک پہلو دکھائے جاتے ہیں ، یہاں تک کہ اس میں وزیر اعظم پاکستان کو بھی نہیں بخشا گیا ہے -

جکارتہ کے سب سے بڑے عیسائی روزنامے KOMPAS کے ۲۳ جولائی ۸۹ء کے سنڈے ایڈیشن میں ایک کرسچین میگزین " جکارتہ جکارتہ " کے حوالے سے ایک اشتہار شائع ہوا ہے ، جس میں وزیر اعظم کو بھی ملعون کیا گیا ہے ، جس کے الفاظ ہیں " سی ہونے ! ہلالن ماذور اجیو بے نظیر " جس کا ترجمہ ہے " راجیو کا بے نظیر کے ساتھ ہنی مون مبارک ہو " -

اس کے علاوہ دیگر متعدد پاکستان کی اہانت پر مبنی خبریں شائع ہو چکی ہیں ، جن کا ایمبیسی میں باقاعدہ ریکارڈ موجود ہے ، یہ خبریں اور دیگر معلومات ایمبیسی سے کسی بھی وقت حاصل کی جا سکتی ہیں -

مندرجہ بالا تمام باتوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے ہماری درخواست ہے کہ

(۱) ملک و ملت اور اسلام دشمن عناصر بالخصوص سفیر پاکستان مسٹر خالد سلیم ، پریس اتاشی جاوید سرفراز ، کمرشیل سکریٹری انجم بشیر اور پرنسپل مبشر احمد کو فوراً برطرف کیا جائے -

(۲) آئندہ مزید احمدی اساتذہ کے تقرر پر پابندی لگائی جائے -

(۳) اسکول کو تمام گرانٹس بند کر دی جائیں ، کیونکہ ان کا بہت بڑا حصہ ہندوستان منتقل ہو جاتا ہے -

(۴) تمام اساتذہ کو وزارت تعلیم کے تحت قائم کردہ ایک سلیکشن بورڈ کے ذریعہ منتخب کیا جائے اور ہر صوبے کے کوٹے کا ملحوظ خیال رکھا جائے -

(۵) ہندوستانی اور اسرائیلی ایجنٹوں کو فوراً اسکول سے نکال دیا جائے۔

(۶) تمام اسکول اکاؤنٹس حکومت پاکستان کے علم میں لائے جائیں اور حکومت کے حکم کے بغیر کوئی اکاؤنٹ کبھی نہ کھولا جائے۔

(۷) اب تک ایمبیسی کے ارباب حل و عقد سے، جو یہاں کے والدین نے متعدد سوالات کیے ہیں، جن کا ہمارا سفارت خانہ کوئی جواب نہیں دے سکا ہے، حکومت پاکستان سے درخواست ہے کہ ان کا واشگاف الفاظ میں جواب عنایت فرمایا جائے۔ سوالات یہ ہیں۔

(الف) کیا احمدیوں کو مملکت کی اعلیٰ ترین پوسٹوں پر کام کرنے کی آزادی ہے؟ (والدین)

(ب) کیا پاکستانی اساتذہ کے انتقال پر ان کی جگہ ہندو غیر پاکستانی اساتذہ کو مقرر کیا جانا چاہیئے (سوال من جانب ایمبیسی اسٹاف)

(ج) کیا پاکستان میں کوئی انٹیلی جنس ایجنسی ہے (ایک مسلمان ملک کے غیر پاکستانی والدین کا سوال)

(د) کیا پاکستانی بھول چکے ہیں کہ کس طرح ۱۹۷۱ء میں مشرقی پاکستان میں پاکستانیوں کی تذلیل کی گئی تھی، ان کے نوے ہزار فوجیوں کو قیدی بنایا گیا تھا اور دسمبر ۸۸ء میں بھارتی فوج نے پاکستانی ملٹری اتاشی بریگیڈئر عباسی کو مارا تھا۔ (مقامی پاکستانیوں کے تین خطوط)

(ر) کیا پاکستانی اتنے ہی ناسمجھ اور غیرت سے عاری ہیں کہ ہندوستانی اور اسرائیلی ایجنٹوں کے ہاتھوں میں کھیلتے رہیں۔ (ایک مقامی پاکستانی کا خط)

(ز) ہندوستانی سفارت خانوں میں کتنے پاکستانی ملازم ہیں؟ (حکومت انڈونیشیا میں ملازم ایک مقامی پاکستانی کا خط)

یہ تمام خطوط پاکستانی ایمبیسی انڈونیشیا کے ریکارڈ میں موجود ہیں، جنہیں کسی بھی وقت منگوایا جا سکتا ہے۔

●●

بشکریہ تکبیر کراچی۔ ۷ ستمبر ۱۹۸۹ء۔

(بقیہ از صـ ۵۶)

اللہ و رسول کی مرضی پر قربان کر دیا وہ لوگ بیچارے کیا پیٹ کا دھندہ کرتے۔؟

میں وثوق سے کہتا ہوں کہ حضرت امیر شریعت نے میاں صاحب سے اس قسم کی کوئی بات نہیں کی اور نہ ہی ایسا کوئی واقعہ پیش آیا۔ اگر میاں صاحب کو اصرار ہے تو ہم یہ کہتے ہیں کہ شاہ جی نے میاں صاحب کی بات سن کر بھانپ لیا ہوگا کہ موصوف جان کی بازی لگانے والوں میں سے نہیں بلکہ کتاب بازمنشیوں میں سے ہیں۔ میاں صاحب کی افتادِ طبع کو مدِنظر رکھتے ہوئے انہیں "حلقۂ اہلِ رخصت" میں شمولیت کا مشورہ دیا ہوگا۔ اور پھر میاں صاحب نے خود کو جان کی بازی لگانے والوں کی جگہ کتابیں بیچنے اور پیٹ کا دھندہ کرنیوالا ہی ثابت کیا۔

آئندہ شمارہ میں

مفکرِ ملت علامہ اقبال کے افکار و سوانح کے حوالہ سے یادگار مقالات ملاحظہ فرمائیں۔

تحریر:۔ سید محمد ذوالکفل بخاری

حُسنِ انتقاد

تبصرہ کے لئے دو کتابوں کا آنا ضروری ہے

سید ذوالکفل بخاری

مولانا عبیداللہ سندھیؒ اور اُن کے ناقد

مصنف: مولانا سعید احمد اکبر آبادیؒ
ناشر: المحمود اکیڈمی، عزیز مارکیٹ اردو بازار ۴۰

قیمت: ۴۵ روپے، کتابت/طباعت: معیاری، ضخامت: ۲۳۲ صفحات

امام انقلاب مولانا عبید اللہ سندھی کے نام سے کون واقف نہیں؟ شیخ الہند محمود حسنؒ کے دست راست، فاضل سالاران حریت کے پیشرو، امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے افکار کے عظیم شارح و علمبردار

زیر تبصرہ کتاب بھی ایک بڑے آدمی کے قلم سے ایک بہت بڑے آدمی کا دفاع ہے۔ کتاب کی ابتداء میں مولانا سعید الرحمٰن علوی نے صحیح فرمایا ہے کہ:

"دور حاضر کی مظلوم شخصیات میں ایک نام مولانا سندھیؒ کا ہے جو سکھ دھرم ترک کر کے حلقہ بگوش اسلام ہوئے اور وقت کے جلیل القدر علماء اور صوفیاء سے استفادہ کے بعد جدوجہد آزادی کے عظیم معرکہ میں شامل ہو گئے اور پھر اس منزل کے حصول کیلئے انہیں وہاں وہاں کی خاک چھاننی پڑی کہ مرصع و مسجع ڈرائنگ روموں میں بیٹھ کر اسلام اور آزادی کا شور مچانے والے اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ یہ کتاب مولانا سندھی پر کی جانیوالی تنقید کا ایسا مؤثر جواب ہے کہ عشرت کدوں میں بیٹھ کر لکھ کر نعرے لگانے والے دم نہیں مار سکتے"

خمینی موت کے دروازے پر

مرتب: ابو میمون شاہ
ناشر: عالی پبلیکیشنز، ملتان، ضخامت: ۴۸ صفحات

قیمت: ۱۰ روپے، کتابت/طباعت: عمدہ، اسپیڈ پرنٹنگ: بخاری اکیڈمی، دار بنی ہاشم، مہربان کالونی ملتان۔

خمینی کی موت ہمارے عہد کا اتنا ہی اہم واقعہ ہے کہ جتنا خود انقلاب ایران! انقلاب ایران سے اقوام عالم اور عالم اسلام کو جس طرح متاثر کیا بعینہٖ یہی کیفیت بانیٔ انقلاب کی رحلت کے وقت پیش آ رہی ہے۔ یہ موت محض ایک واقعہ ہی نہیں بلکہ ایک موضوع اور ایک سوال ہے۔ کیوں اور کیسے؟ اس کا جواب "خمینی موت کے دروازے پر" میں دیا گیا ہے۔

ہوشربا انکشافات، چشم کشا حوالے، ناقابل تردید حقائق۔ فکر انگیز تجزیے، حیرت انگیز معلومات اور ایسے بہت سے مشمولات پر مبنی یہ اپنی نوعیت کی پہلی اور یادگار کوشش ہے گویا قتیل بھی اور قاتل بھی۔ موت خمینی پر دینی جرائد کے گراں قدر تبصروں کا یہ مجموعہ یقیناً تاریخ، مذہب، سیاست، ادب اور صحافیات سے دلچسپی رکھنے والے احباب کے علمی و فکری سرمائے میں نہایت خوشگوار اضافہ ثابت ہوگا۔

تجدیدِ سبائیت بجواب خلافت و ملوکیت

مصنف: حضرت مولانا محمد اسحٰق صدیقی سندیلوی مدظلہ العالی۔ ناشر: تحریک تحفظ [illegible]، دار بنی ہاشم، مہربان کالونی ملتان۔ قیمت: ۱۰ روپے، ضخامت: ۱۲۴ صفحات

سید مودودی مرحوم کی تصنیف "خلافت و ملوکیت" کے متعلق علمائے امت کا متفقہ فیصلہ ہے کہ یہ تاریخ اسلام کی سراسر غلط تعبیر ہے لیکن یار لوگ ہیں کہ مان کر نہیں دے رہے۔ "تجدید سبائیت" حضرت مولانا محمد اسحٰق کا وہ معرکۃ الآرا مقالہ ہے کہ جس نے زمانے والوں کے تمام راستے مسدود کر دیئے ہیں بجز ہٹ دھرمی کے! "مودودی" کے شیریں گفتار سے تنگ ہوئی حضرات کو خود اس کا مطالعہ فرمانا چاہیئے تاکہ وہ علم کی طاقت، استدلال کی قوت اور زبان و بیان کے بانکپن سے متعارف ہو سکیں۔

یہ کتاب بھی ایک عرصہ کے بعد دوبارہ چھاپی گئی ہے۔ امید کی جانی چاہیئے کہ مسموم اذہان کی اصلاح کے لئے اس سے بڑے پیمانے پر فائدہ اٹھایا جائیگا۔

سیکولر حکمرانوں نے اپنی تاریخ کو دہرایا تو ہم بھی اپنی روایت زندہ کریں گے

مرزائیت نواز پالیسی حکومت کو لے ڈوبے گی۔

ڈاکٹر شیر افگن اور ڈراب پٹیل کی "جگالی"

نسیم احمد مرتد ہے۔ مسلمانوں کا نمائندہ نہیں

میاں طفیل صاحب! "گفتگو تو شریفانہ چاہیئے"

سید عطاء المحسن بخاری

نمائندہ خصوصی۔ ملتان

مجلس احرار اسلام کے ناظم اعلیٰ قائد تحریک تحفظ ختم نبوت سید عطاء المحسن بخاری مدظلہ نے حکومتی سطح پر مرزائیوں کی حوصلہ افزائی پر شدید ردعمل کا اظہار کرتے ہوئے ۱۴ ستمبر کو دار بنی ہاشم ملتان میں ایک پرہجوم پریس کانفرنس سے خطاب کیا۔ جس کا مکمل متن ہدیۂ قارئین ہے۔

وزیر مملکت برائے پارلیمانی امور (جنہیں وزارت رشوت میں ملی ہے) ڈاکٹر شیر افگن اور سابق جج مسٹر ڈراب پٹیل نے جس بھونڈے انداز میں مرزائیوں کی حمایت اور حوصلہ افزائی کی ہے یہ انتہائی مذموم عمل اور کھلی مرزائی نوازی ہے مرزائیت کا مسئلہ انتہائی حساس مسئلہ ہے اس سے پوری پاکستانی قوم میں ہیجان پیدا ہو سکتا ہے اور اس کے خلاف کارروائی کا رخ بھی شدید تر ہو سکتا ہے۔ ڈاکٹر شیر افگن رشوت کی جس کرسی پر براجمان ہیں وہ صرف اسی کے تقاضے پورے کریں دینیات میں اپنی جہالت کا اظہار نہ کریں انہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ کفار و مشرکین حقوق و ضروریات میں مسلمانوں کے برابر نہیں ہیں چہ جائیکہ مرتدوں کو مسلمانوں کے برابر کیا جائے۔ ڈاکٹر صاحب اپنے ایمان کی تجدید کریں اور اپنے پیر و مرشد سے رجوع کریں (اگر کوئی ہے) ڈاکٹر صاحب کے بیان سے یوں محسوس ہوتا ہے کہ وہ اپنی باطنی وفاداریاں غلام احمد قادیانی کے پوتے سے وابستہ کر چکے ہیں۔

انہیں کم از کم ذوالفقار علی بھٹو کے دور حکومت کے فیصلوں کو مدنظر رکھنا چاہیئے بھٹو کی بیٹی وزیر اعظم پر لازم ہے کہ وہ اپنی پالیسی پر نظر ثانی کرے ورنہ انہیں یہ بات دل میں بٹھا لینی چاہیئے کہ انکی حکومت کو بھی مرزائی نوازی لے ڈوبے گی۔ رائے عامہ اُن کے خلاف ہو جائیگی جسے نہ ان کے والد سنبھال سکے تھے نہ یہ سنبھال سکیں گے۔ نسیم احمد سکہ بند مرتد واجب القتل مرزائی ہے اُسے اقوام متحدہ میں مسلمانوں کا نمائندہ بنایا گیا ہے یہ تاریخ دہراتے

والی بات ہے ۱۹۴۶ء میں ظفر اللہ خاں کو وائسرائے کی ایڈوائزری کونسل کا ممبر بنایا گیا اسمیں بھی انگریز پرست ٹوڈی لیگی جاگیردار کا ہاتھ تھا جسے مسلم لیگ کا صدر بنایا گیا۔ پاکستان کا پہلا وزیر خارجہ بنایا گیا اس نے اپنے ان عہدوں سے ظالمانہ انداز میں ناجائز فائدہ اٹھایا اور پوری دنیا میں مرزائیوں کے دفاتر، سینٹر بنا کے اور جائیدادیں خرید کے دیں اب پھر نسیم احمد کو ایسا ہی بلند عہدہ دیا گیا جس سے وہ امریکہ میں مرزائیوں کو مسلمان ثابت کر رہا ہے اور کہتا ہے کہ میں مسلمانوں کا نمائندہ ہوں ہم اس پر لعنت بھیجتے ہیں وہ ہرگز ہمارا نمائندہ نہیں ہے موجودہ حکومت کا دادا ویہ تو یہ ہے کہ وہ عوامی مزاج لیکر آگے بڑھ رہی ہے تو وہ مرزائیوں کے مسئلے پر ریفرنڈم کرا کے پھر تجدید کرلے پہلا تجربہ ناظم الدین نے کیا دوسرا بھٹو نے تیسرا تجربہ بینظیر کرلے۔

اور نتائج کی ذمہ داری بھی قبول کرلے۔ نواب پٹیل صاحب کو بھی علم ہونا چاہیئے کہ قرآن نے مسلم و مجرم کو مساوی نہیں کہا بلکہ آپ حبیبوں کو خطاب کرتے ہوئے کہا کہ تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ کیسے فیصلے کرتے ہو۔؟

پ ۲۹ سورۃ نون آنکھیں کھول کر پڑھیں اس سورت کا تو موضوع ہی رسولؐ و دشمنِ رسول ہے۔

ہماری اک روایت ہے ہم نے ۱۹۳۴ء میں ۱۹۵۳ء اور ۱۹۷۴ء میں قربانیاں دیکر رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں اور پاکستان کے غداروں کو غیر مسلم اقلیت ڈیکلیئر کرایا ہے اور اب بھی ہم میں دم خم ہے کہ موجودہ حکومت کا مرزائی نوازی دم خاک دبا سکتے ہیں۔ لبرل سیکولر سیاستدان اور حکمران اگر اپنی تاریخ دہرا لگے تو ہم بھی اپنی روایات زندہ رکھیں گے۔

ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ میاں طفیل محمد صاحب نے حضرت امیر شریعت رحمہ اللہ کے حوالہ سے ایک بات مکرر کہی ہے کہ "انہوں نے سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری سے کہا کہ آپ جو کہتے ہیں اُسے سن کر جی چاہتا ہے کہ ہم جالسے بھی گزر جائیں لیکن ابوالاعلیٰ مودودی کی کتابیں پڑھنے سے آپ غلط لگنے لگتے ہیں"۔ تو اس پر شاہ جی نے کہا کہ دین کا کام کرنا ہے تو مودودی صاحب کے پاس جاؤ۔ باقی تو پیٹ کا دھندہ ہے ۵

اسے شیخ گفتگو تو شریفانہ چاہیئے

میاں صاحب پیٹ کا دھندا تو کتابیں بیچنے والوں نے کیا اور آج اُن کی اولاد اُن کے چھوڑے ہوئے پیٹ کے دھندے کی تقسیم پر لڑ رہی ہے۔ اس کے مقابلے میں امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری اور اُن کے رفقاء نے آہنی زنجیریں پہنیں اور آہنی سلاخوں کے بلیک ہول میں زندگی بتادی۔ جان و مال اور ناموس تک

(بقیہ ص ۵۳ پر)

: ۳ ؛ ۲۸ے

اَنَا خَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ

زیرِ تعمیر جامع مسجد ختمِ نبوّت

دارِ بنی ہاشم ـــ مہربان کالونی ـــ ملتان

زیرِ اہتمام: تحریکِ تحفظِ ختمِ نبوت (شعبۂ تبلیغ) عالمی مجلس احرارِ اسلام پاکستان

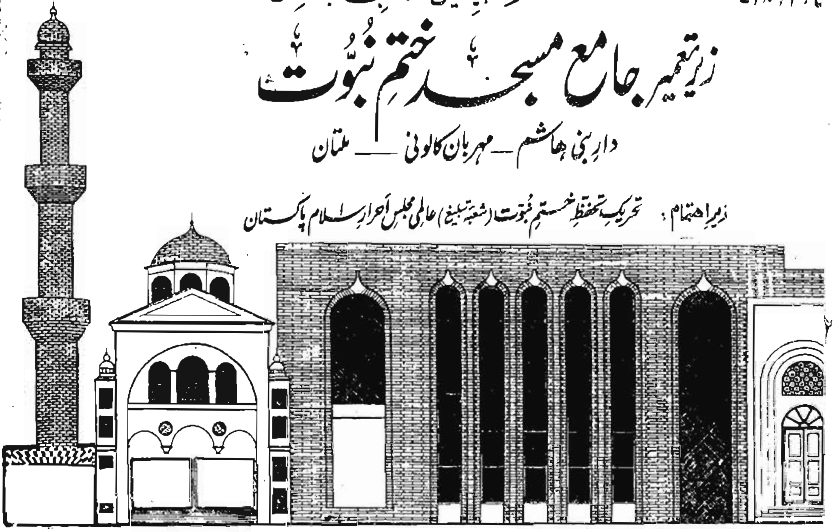

مسجد کی بنیادیں مکمل ہوچکی ہیں۔ تعمیر کی تکمیل میں بھرپور حصہ لیں، نقد و سامانِ تعمیر دونوں صورتوں میں تعاون فرمائیں

ترسیلِ زر کیلئے؛ منتظم و متولی ابنِ امیرِ شریعت سیّد عطاء المحسن بخاری دارِ بنی ہاشم ـــ ملتان

Phone : 72813

NAQEEB-E-KHATM-E-NUBUWWAT

MULTAN

گیارہویں سالانہ یک روزہ

سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کانفرنس

اور جلوس

۱۲ ربیع الاول ۱۴۱۰ھ

جامع مسجد احرار - ربوہ

زیرِ سرپرستی :- حضرت مولانا خواجہ خان محمد مدظلہ، امیر مجلس عمل تحفظ ختم نبوت
جانشین امیر شریعت حضرت مولانا سید ابو معاویہ ابوذر بخاری مدظلہ،

زیرِ صدارت :- قائد تحریک تحفظ ختم نبوت ابن امیر شریعت،
حضرت مولانا سید عطاء المحسن بخاری مدظلہ،

جس میں

ملک بھر سے ہزاروں احرار فدائین - مزدور - کسان اور طلباء
شریک ہو رہے ہیں - زعماء احرار کے ایمان افروز بیانات

پروگرام

صبح ۱۰ بجے تا ۱۲ بجے : بیانات
ایک بجے تا نمازِ عصر : جلوس

مسجد احرار تا مسجد بخاری دورانِ جلوس زعماء احرار کی ایمان افروز تقاریر

تحریکِ تحفظِ ختمِ نبوۃ (شعبۂ تبلیغ) عالمی مجلس احرارِ اسلام پاکستان

رابطہ :- ربوہ ۸۸۶ - لاہور ۳۲۱۰۷۰ ملتان ۷۲۸۱۳ - چیچہ وطنی ۲۱۱۲